اُصولِ تفسیر
سوالاً جواباً
مدارس و جامعات، فہم قرآن کورسز اور
دورۂ تفسیر کرنے والے طلبہ و طالبات
کے لیے ایک راہنما کتاب
تالیف
مولانا ابو نعمان بشیر احمد
نظرِ ثانی
شیخ القرآن ابو زکریا سید عبد السلام الرستمی
دار السلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اِشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور
لندن • هیوسٹن • نیو یارك

سعُودی عرَب (ھیڈآفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

❶ طریق مکّہ۔ العلیا۔ الرّیاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945
❷ شارع الربعین۔ الملز۔ الرّیاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
❸ جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
❹ الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجه فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208

امریکه ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ھیڈآفس ومرکزی شورُوم)

❶ 36- لوئرمال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092
فیکس: 7354072 **E-mail:** darussalampk@hotmail.com
❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ اُردو بازار گوجرانوالا فون: 741613-431-0092 فیکس: 741614

مدارس و جامعات، فہم قرآن کورسز
اور دورۂ تفسیر کرنے والے طلبہ و طالبات
کے لیے ایک راہنما کتاب

تالیف
مولانا ابو نعمان بشیر احمد

نظرِثانی
شیخ القرآن ابو زکریا سید عبدالسلام الرستمی

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض جدہ شارجہ لاہور
لندن ہیوسٹن نیویارک

فہرست

اُصُولِ قرآن

اُصُولِ تفسیر

عرض ناشر

نزول وحی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اس کا اختتام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہوا۔ مگر سینکڑوں صحائف اور چار مستقل کتابوں میں سے آج صرف قرآن مجید کا متن ہی محفوظ ہے۔ یہ متن قرآن قیامت تک کے لیے فرد اور ریاست کے جملہ معاملات کی ہدایت کا حتمی اور قطعی ذریعہ ہے۔ اس متن قرآن کی مستند تفسیر تمام تر صحیح احادیث کے ذخیرے میں پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔ آپ کی حیات اقدس میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم تفسیر میں تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ مکہ میں دارارقم اور مسجد نبوی میں ریاض الجنّۃ کے قریب صفہ کا چبوترہ تفسیر قرآن کے ابتدائی حلقے تھے۔ آج دنیا کی تمام مساجد اور مکاتب میں درس قرآن کے یہ حلقے اسی مدنی حلقے کی اتباع اور پیروی میں قائم کیے گئے ہیں۔

طبقات المفسرین میں وہ طبقہ جس نے تفسیر ماثورہ کے اصول اور منہج کو برقرار رکھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم التفسیر کے قریب تر ہے۔ تمدن کے ارتقا کے ساتھ بعد کے علوم کی روشنی میں آیات قرآنیہ کے ترجمہ وتفسیر میں جو جدت وندرت روا رکھی گئی ہے' اس کی علمی' ادبی' فنی' نحوی یا تاریخی اہمیت تو ہوسکتی ہے مگر یہ قرآنی مفہوم کی سکہ بند ضمانت نہیں بن سکتی۔ الغرض عافیت اسی میں ہے کہ قرآن مجید کو اولاً خود قران حکیم کی آیات سے سمجھا جائے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند تفسیری روایات سے جانا جائے۔ اس تفسیری ذخیرے کو صحابہ اور تابعین نے عالم اسلام کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ شبہ قارہ یا برصغیر میں بھی اس علم تفسیر کے بہت سے خادم پیدا ہوئے۔

بیسویں صدی میں قرآن مجید کے مطالعہ وتفہیم کا ذوق بہت عام ہوا ہے۔ اس ضمن میں بہت گراں قدر خدمات بھی انجام دی گئی ہیں جن کا ہمیں کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے۔ مگر تفسیر قرآن کی ایک خدمت وہ بھی ہے جو دینی مدارس میں دورۂ تفسیر کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے۔ دورۂ تفسیر کا ایک ایسا ہی مقام مرکز الدعوۃ السّلفیہ ستیانہ بنگلہ فیصل آباد بھی ہے جہاں سالہا سال سے یہ عمل خیر جاری ہے۔ مولانا ابونعمان بشیر احمد حفظہ اللہ نے کمال محنت سے اس دورۂ تفسیر کے افادات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ قارئین کرام! اپنے مطالعہ میں محسوس کریں گے کہ اس مختصر کتاب میں اصول تفسیر کے وہ تمام اسرار و رموز اور امثال و نظائر جمع کر دیے گئے ہیں جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں۔

اصول تفسیر کی اس مختصر مگر جامع کتاب کو سوال و جواب کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے جس سے علمائے کرام کے علاوہ عامۃ المسلمین اور دینی مدارس کے طلبہ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ادارہ دارالسلام نے اس مفید اور نافع کوشش کو تحقیق وتخریج کے ساتھ معیاری طباعت کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اس کتاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے میں شیخ القرآن ابوزکریا سید عبدالسلام رستمی اور پروفیسر عبدالجبار شاکر کی مساعی اور مشاورت کے لیے شکرگزار ہوں۔ حافظ آصف اقبال اور حافظ عبدالرحمٰن ناصر نے بھی جس محنت اور اخلاص سے اس مسودے کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے، میں اس کو بہ نظر تحسین دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قرآن فہمی کے لیے مفید و معاون بنائے۔ آمین یارب العالمین!

خادم کتاب وسنت
عبدالمالک مجاہد
دارالسلام الریاض، لاہور

حرفِ اول

قرآن فہمی کا تفسیری اسلوب

انسانیت کے لیے ہدایت کا سب سے معتبر ذریعہ ہمیشہ سے وحی الٰہی رہا ہے۔ آدم علیہ السلام سے حضور ختمی مرتبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سیکڑوں صحائف کے علاوہ چار مستقل کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ یہ انسانیت کی خوش نصیبی ہے کہ آج اس سارے ذخیرے میں سے صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا متن اس کی اصل زبان کے ساتھ محفوظ و مامون ہے۔ اس کتاب مبین نے تاریخ و تہذیب کے مختلف ادوار اور مراحل میں جو اثرات مرتب کیے ہیں، انہیں کفر و ایمان کی کشمکش میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ ایک ایسا آلہء انقلاب تھا، جس کے ذریعے سے آپ نے نفوس بشریہ کا تزکیہ کیا، ان کی جبلتوں کی تہذیب کی، ان کے عقائد باطلہ کی درستی کی اور ان کے اعمال کو خیر و شر کی تمیز سکھائی۔ عصر حاضر مادہ پرستی کے عروج پر دکھائی دیتا ہے، اس لیے اس کی جہالت بہت مرکب ہے۔ عہد جدید کی جاہلیت اور ضلالت کا علاج اور مداوا صرف قرآنی تعلیمات سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ تنہا ہدایت کی روشنی ہے، جو آج کے مضطرب الحال انسان کو حقیقی سکون اور طمانیت فراہم کر سکتی ہے۔ ہمارے ذہنوں پر تشکیک کے جس قدر کانٹے پیدا ہو چکے ہیں، ہمارے دلوں پر وساوس کا جو ہجوم دکھائی دیتا ہے، ہماری طبائع میں جو اخلاقی پراگندگی پیدا ہو چکی ہے، ان سب سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ قرآن کا راستہ ہے۔ ایمان کی قرآنی مشعل ہاتھ میں لے کر نکلیں گے تو حقیقی منزل کا سراغ میسر آئے گا۔ مگر افسوس کہ آج عام انسان تو کجا خود مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد

قران مجید کی حقیقی تعلیم سے محروم دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید، عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اس کے اولیں مخاطب حجاز کے عرب تھے، جنہیں اپنی زبان دانی، فصاحت، بلاغت اور خطابت پر بہت ناز تھا۔ قرآن مجید نے جو اسلوب اور پیرایۂ بیان اختیار کیا، اس کے سامنے تمام عرب اور اس کے شعرا اور فصحا شرمندہ ہوگئے۔ ان کے دلوں میں یہ حقیقت جاگزیں ہوچکی تھی اور وہ اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ ہٹ دھرم شرک و بدعات کی ایسی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کہ ان میں سے بہت کم لوگوں نے اس سے نورِ ایمان حاصل کیا۔ قرآن فہمی کے لیے جس تقویٰ وطہارت کی ضرورت ہے، اس سے مشرکین مکہ کوسوں دور تھے۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے کہ جس کے مطالب محض لغت سے حل نہیں ہوسکتے۔ اور نہ محض زبان دانی اس کے مفاہیم کو سہولت دیتی ہے۔ اس کتاب حق کی تعلیمات واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو مبعوث کیا، جس نے علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے اس کے مطالب کو ان کے سامنے واضح کیا۔ اس اعتبار سے رسول کریم ﷺ اس کے (قرآن مجید کے) پہلے معلم اور مفسر ہیں، جن سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن نے کسب فیض کیا۔ یہی تفسیری سرمایہ تابعین اور تبع تابعین کے ذریعے سے طبقاتِ مفسرین تک منتقل ہوا۔ مفسرین کرام کا یہی وہ بابرکت گروہ تھا، جس نے اس فن کے باقاعدہ اصول مرتب کیے اور آج ''اصول تفسیر'' کے نام سے ایک مستقل علم کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ دنیا کی یہ واحد کتاب ہے کہ جس کی تشریح وتوضیح کے باقاعدہ اصول مرتب ہوئے ہیں۔ اسی فن کے حوالے سے علوم قرآنی کے مختلف افق روشن ہوئے۔ اس ایک کتب سے کئی کتاب خانے تیار ہوگئے۔ انسانیت کی تاریخ

میں جو اعتنا اور توجہ قرآن مجید پر صرف کی گئی ہے۔ اس کی مثال کسی دوسری قوم کی مقدس کتاب میں مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اس کی تدوین میں جس ضبط و احتیاط سے کام لیا گیا ہے' یہ ایک مستقل باب ہے' جس پر بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ دنیا میں کسی ایسی دوسری کتاب کی مثال دینا مشکل ہوگا کہ جس کی سند قراءت کے تواتر کے ساتھ موجود ہو۔ اس کے تراجم' حواشی' احکام' اشاریے' لغت اور تفسیر پر ایک عظیم ذخیرہ وجود میں آیا ہے۔ اپنی زبان اور اسلوب کے لحاظ سے یہ ایک ادبی اعجاز کا نمونہ ہے۔ اس کی کتابت میں جو رسم خط استعمال ہوئے' وہ کوفی' ثلث' تعلیق' ریحان' نسخ' رقاع' بہار اور نستعلیق کے علاوہ بیسیوں دوسرے تزئینی خطوط پر مشتمل ہیں۔ اس کے لیے جلد سازی کے فن کے نئے سے نئے نمونے تیار ہوئے' اس کی نقاشی' تذہیب اور جداول کا الگ سے رنگا رنگ اور بوقلموں سلسلہ موجود ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے نظام میں اس کی کتابت و تسوید سے ہٹ کر اس کے حفظ کا کرشمہ خداداد ہے۔ رسول کریم ﷺ کے علاوہ ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے حافظ تھے۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور تلاوت کی جانی والی کتاب ہے۔ اس کتاب کی تلاوت کے بھی خاص آداب ہیں' جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور جن کا التزام ایمانی سطح پر بہت ضروری ہے۔ یہ کتاب انسانوں پر ایک خاص حق اور دعویٰ رکھتی ہے کہ اس پر سچے دل سے ایمان لایا جائے۔ اس کی تلاوت کو نمازوں کے علاوہ روزمرہ کے اذکار میں شامل کیا جائے۔ اس کے فہم اور تدبر پر وقت کو قربان کیا جائے۔ اس پر عمل کے ذریعے سے اپنی سیرت سازی کی جائے۔ اس خیر الاشغال کے علم کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے مستقل مدارس اور مکاتب ترتیب دیے جائیں۔ ایسے مدارس کا سلسلۃ الذہب خود سرور کائنات ﷺ کے عہد مبارک میں

قائم ہو چکا تھا۔ اِرقم، صفہ اور حرمین اس کے ابتدائی مراکز تھے۔ آج لاکھوں مدارس اور مساجد میں کروڑوں طلبہ اور طالبات اس کا باقاعدہ درس حاصل کرتے ہیں۔ اس کی اشاعت کے ہزاروں عظیم ادارے ہیں۔ صرف مدینہ طیبہ کے فہد قرآن کمپلیکس میں بیسیوں زبانوں میں قرآن مجید کے لاکھوں نسخے ہر سال مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اس کے قلمی نسخوں اور صحائف سے دنیا کے بڑے بڑے عجائب گھر اور کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ مسلمانوں میں سے خال ہی کوئی ایسا بدنصیب گھرانہ ہوگا' جو قرآن مجید کے نسخے کو مطالعہ و برکت کے لیے اپنے گھر میں نہ رکھتا ہو۔ آج دنیا کی ایک سو ایک زبانوں میں قرآن مجید کے مکمل تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ صرف اردو زبان میں مکمل تراجم کی تعداد 240 اور نامکمل تراجم کی تعداد 365 سے زائد ہے۔

اہل علم میں اس موضوع پر بہت کلام ہوا ہے کہ آیا قرآن مجید کا ترجمہ ممکن ہے؟ ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ قرآن مجید کا کما حقہ ترجمہ کسی سے بھی ممکن نہیں' البتہ مختلف حضرات نے اس کی ترجمانی کی کامیاب کاوشیں کی ہیں۔ اسلام اور دعوت قرآن دیار عرب سے بہت جلد عجمی علاقوں تک پہنچ گئی۔ ان علاقوں کے لوگوں میں اس نور حق کی تعلیم و تفہیم کے لیے بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ تاریخی روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پہلے مترجم قرآن ہیں' جنہوں نے سورۂ فاتحہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ہر صدی میں نئی سے نئی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم ہوتے چلے گئے۔ اردو زبان کے تراجم میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے دو افراد نے اولیت کا شرف حاصل کیا ہے' ان میں سے ایک شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمے کا بھی اردو زبان میں ترجمہ ہوا' جس کا ایک نادر نسخہ راقم کے کتب خانے ''بیت الحکمت'' میں

موجود ہے۔

ابتدائی دور میں جو تراجم مختلف زبانوں میں ہوئے' ان میں زیادہ تر لفظی ترجمے ہوئے مگر ترجمے کی ایک نوعیت وہ بھی ہے' جسے ہم تفسیری ترجمہ کہتے ہیں۔ یہ ثانی الذکر ترجمہ قرآنی مطالب اور مفاہیم کے قریب تر ہوتا ہے۔قرآن مجید کے تراجم کے ساتھ' ان کے مختصر حواشی اور فوائد بھی لکھے گئے ہیں۔مگر خدمت قرآن کا اصل باب ''تفسیر'' سے متعلق ہے۔محدثین نے اپنی جوامع میں تفسیر کے الگ سے باب باندھے ہیں۔

ہم اس حقیقت کو بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کے پہلے معلم اور مفسر خود نبی کریم ﷺ ہیں۔مگر یہاں اس سوال کا جواب فراہم کرنا بہت ضروری ہے کہ خود علم تفسیر کی ضرورت کیا ہے؟

قرآن مجید کوئی علمی یا ادبی کتاب نہیں کہ محض لغت کی مدد سے اس کے مطالب کو کوئی استاد یا معلم واضح کردے۔ بلکہ یہ ہدایت و یقین کے لیے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ایسا صحیفہ ہے' جسے جبریل امین علیہ السلام جیسے مقدس فرشتے نے لوح محفوظ سے بیت العزت میں موجود اس نوشتے کو بائیس سال' نو مہینے اور نو دن تک رسول کریم ﷺ تک منتقل کیا۔ چالیس سے زائد صحابہ نے اس کی کتابت کی۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے ایک ہی مرتبہ نازل کیوں نہیں کیا گیا۔اس کے جواب میں قرآن مجید کی عظمت پنہاں ہے۔ یہ کتاب عربوں کی ذہنی استعداد' ان کے سماجی ماحول' ثقافتی اقدار اور افکار و عقائد سے بالکل الگ ایک تعلیم کی حامل کتاب تھی۔ جسے ان کی ایمانی جلا اور تزکیۂ نفس کے لیے بتدریج نازل کیا گیا۔صرف ایک ہی مرتبہ نازل کرکے اس سے وہ مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے تھے۔قرآن مجید میں اس کے نازل کرنے والے کی

مراد کو سمجھنے کے لیے پیغمبرانہ رہنمائی اور تعلیم کی ناگزیر ضرورت تھی۔ مختلف قرآنی آیات کے شان نزول کو بیان کرنے، احکامات کی وضاحت اور عملی شکلوں کو متعین کرنے، عبادات کی ہیئت اور ترکیب کو واضح کرنے اور شرعی امور کی تفصیلات فراہم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ قرآن مجید کی آیات کی ان اجمالی تعلیمات کو اس کے پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اس ضرورت نے تفسیر کے فن کو جنم دیا۔ فن تفسیر میں مہارت حاصل کرنے کے لیے لغت، ادب، شاعری، احادیث، فقہ، روایات صحابہ رضی اللہ عنہم، علم قراءت، تاریخ ومغازی، شان نزول، ناسخ ومنسوخ اور احکامات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں کچھ فنون کی واقفیت بھی ناگزیر ہے۔

تفسیر قرآن کا سب سے اہم اسلوب خود تفسیر القرآن بہ آیات القرآن ہے۔ قرآن کی بہت سی آیات ایک دوسرے کا تتمہ ہیں اور مختلف احکامات کی تکمیل کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ قرانی آیات کے باہمی ربط اور نظم کے علم کے بعد قرآن فہمی یا تفسیر القرآن کا سب سے بڑا ماخذ خود رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ قرآن مجید کے بیان کردہ عقائد وافکار، اعمال وافعال، اذکار وعبادات، احوال ومعاملات، حدود وتعزیرات، حدود وقیود، آداب ورسوم، حلال وحرام اور معروف ومنکر کا ذکر جہاں قرآنی آیات میں اجمالاً بیان ہوا، وہاں اس کی تفصیل سیرت نبوی ﷺ میں وضاحت کے ساتھ ملتی ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ سیرت پیغمبر ﷺ اور احادیث کو شامل نہ کیا جائے، تو اس کتاب مبین کے سیکڑوں عنوانات انسانیت پر اوجھل رہتے۔ یہی باعث ہے کہ قرآن مجید کو ذخیرۂ حدیث کے بغیر سمجھنے اور بیان کرنے کی جن لوگوں نے جسارت کی ہے، وہ اصل دین اور فطرت دین سے بہت دور جا نکلے اور جاہلیت کے پرچار میں مبتلا ہو گئے، العیاذ باللہ۔ قرآن مجید کو سنت پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے سے سمجھنے

کے اسلوب کو تفسیر ماثورہ کہتے ہیں اور اسے تفسیر بالروایت کا نام بھی دیا گیا ہے۔ عہد صحابہ کے سب سے جید مفسرین جن میں عمر بن خطاب، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم بہت ممتاز ہیں، اسی تفسیر ماثورہ کے اسلوب کے بانی ہیں۔ ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تفسیری مباحث میں خصوصی امتیاز رکھتی ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں یونانی تفلسف اور ایرانی مابعد الطبیعات نے اسلامی فکر میں اپنا دخول پیدا کر لیا جس سے قرآن مجید کی خالص تعلیمات کو دوسرے علوم وفنون کے تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اس سے تفسیر بالرائے کے مکتب فکر کی بنیاد پڑی۔ یہ اسلوب نہ صرف امت مسلمہ میں قرآن فہمی کے منفی رویوں کا باعث بنا بلکہ اس سے تفرقے کی ایک ایسی بنیاد پڑی، جس نے ابھی تک وحدت امت کے تصور کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔

''تفسیر'' کا لفظ ''ف س ر'' کے مادے سے باب تفعیل کا صیغہ ہے، جس کے لغوی معنی حجاب اٹھا دینے، واضح کرنے یا کھول دینے کے ہیں۔ مگر علوم تازہ کی سرمستیوں نے قرآنی مطالب کو اس درجہ پراگندہ کر دیا کہ حقائق کی نقاب کشائی کی بجائے، خود حقائق اس میں دب کر رہ گئے۔ اور تفسیر بالرائے کے مفسرین نے تاویل کا ایک ایسا پھندا لگایا کہ جس سے بقول اقبال:

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

قرآن مجید کی تفسیر صدیوں سے مدارس نظامیہ میں پڑھائی جا رہی ہے مگر ان مدارس کا چلن عجیب ہے کہ تفسیر پہلے پڑھاتے ہیں اور اصول تفسیر کا مطالعہ بعد میں

کراتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مدارس نظامیہ اصول تفسیر اور اس کی کم از کم ایک کتاب ''الفوز الکبیر'' جسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فارسی زبان میں تحریر کیا ہے' اس کا اردو ترجمہ طلبہ کو پڑھا دیا جائے' جس سے قرآن کے علوم پنجگانہ سے قرآن مجید کے طالب علم کی ایک ذہنی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقام مسرت کے ہمارے عہد میں قرآن فہمی کے جذبات نوجوان نسل میں فراوانی کے ساتھ پیدا ہو رہے ہیں۔ اس مقصد عزیز کے لیے بہت سے ادارے' انسٹی ٹیوٹ اور فاؤنڈیشنز تشکیل دیے جا رہے ہیں۔ مختصر دورانیے کے کورسز ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ خود رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں معروف مدارس اور مخصوص مساجد میں درس قرآن کے حلقے قائم کیے جاتے ہیں۔ ممتاز دینی مدارس میں دورۂ تفسیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ دورۂ تفسیر کے اس ماحول میں ایک خاص مرکز الدعوۃ السلفیہ' ستیانہ بنگلہ' فیصل آباد بھی ہے' جہاں برسوں سے یہ کار خیر جاری ہے۔ جس سے قرآنی علوم کے طالبین اور تشنگان سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔ اس ادارے کے علم التفسیر کے ایک جید استاد اور دورۂ تفسیر قرآن حکیم کے مفسر مولانا ابو نعمان بشیر احمد حفظہ اللہ نے ایسے ہی طالبین قرآن کے لیے قرآنی موضوعات اور اصول تفسیر کے لوازم کے لیے یہ مختصر مگر جامع کتاب تحریر کی ہے' جو اپنے اسلوب کے لحاظ سے بہت اہم اور مفید علمی کاوش ہے۔ اس میں علم تفسیر کی ضخیم کتابوں کا خلاصہ بہت عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قرآنی حقائق' علمی معلومات اور اصول تفسیر کے مختلف مباحث کے لیے سوال و جواب کا طریق اختیار کیا گیا ہے' جو قرآنی مطالب کی تفہیم کے لیے ایک موزوں ترین اسلوب ہے۔ اس طریق سے جہاں عامۃ المسلمین استفادہ کریں گی' وہاں منتہی حضرات بھی فیض یاب ہوں گے۔ ترجمہ قرآن کے مراکز اس کوشش کو

بہت مفید پائیں گے۔ ادارہ دارالسلام کی یہ کاوش لائق داد ہے کہ اس نے قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر سے متعلق قرآنی اداروں اور انسٹی ٹیوٹ کی سہولت لیے یہ مفید، مستند، مختصر مگر جامع کتاب فراہم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور ناشر کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

العبد المذنب
پروفیسر عبدالجبار شاکر
مدیر ''بیت الحکمت'' لاہور
20 / رمضان / المبارک 1424ء
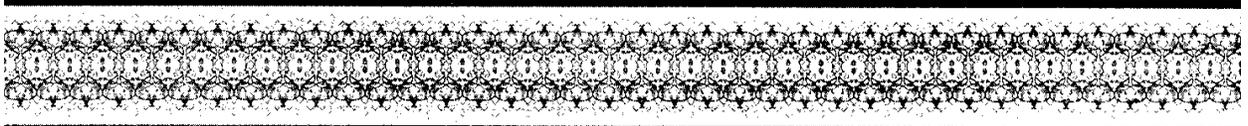
مقدمة المؤلف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾ (صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح: ٨٦٨، وسنن أبي داود، ح: ٢١١٨ وسنن ابن ماجه، ح: ١٨٩٢ وسنن النسائي، النكاح، ح: ٣٢٧٩، والدارمي، النكاح، باب في خطبة النكاح، ح: ٢٢٠٨)

انسان، جسم وروح کے مرکب کا نام ہے۔ ان میں ایک عنصر مفقود ہو تو تنہا دوسرا عنصر انسان نہیں کہلا سکتا اور دونوں عنصروں کو اپنی نشو ونما اور بقا کے لیے غذا اور بیماری کی صورت میں دوا کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو مٹی سے پیدا کیا تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی میں رکھ دی اور روح آسمان سے نازل کی تو اس کی غذا و

دوا بھی آسمان سے نازل کی جو قرآن اور اس کی شرح، حدیث کی صورت میں ہمارے پاس ہے۔ جسم کو بروقت غذا اور دوا نہ دی جائے تو اس کے تلف ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم جسم کی غذا و دوا کے لیے محنت و کوشش کرتے ہیں، لیکن اس سے بڑھ کر روح کی غذا و دوا کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ جسم کی غذا و دوا کے میسر نہ آنے کی صورت میں صرف دنیاوی زندگی متاثر ہوتی ہے جبکہ روح کی غذا و دوا کی عدم موجودگی میں دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیاں متاثر ہوتی ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جسم کی غذا و دوا کو زمین سے پیدا شدہ قدرتی اور مفرد شکل میں استعمال کرنے اور انہیں محنت و مشقت سے پیس کر، مرکب بنا کر استعمال کرنے میں واضح فرق ہے۔ اسی طرح روح کی غذا و دوا یعنی قرآن مجید کی سادہ ناظرہ تلاوت کرنے اور محنت و مشقت سے معانی و مفہوم سمجھ کر تلاوت کرنے میں بھی واضح فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

چونکہ قرآن کریم عربوں کے اسلوب کلام کے مطابق نازل کیا گیا ہے، اس لیے اس کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیے اس دور کے انداز کلام اور اس کے اصول و ضوابط سے آگاہ ہونا ضروری ہے، نیز نزول قرآن سے لے کر موجودہ مصحف کی صورت میں آنے کے مراحل اور اسلاف کی اصطلاحات کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے علمائے کرام نے اصول تفسیر مرتب کیے۔

عصر حاضر میں بعض حلقوں میں قرآن فہمی کا قدرے ذوق پیدا ہو رہا ہے لیکن دنیاوی مشاغل کی وجہ سے لوگ زیادہ وقت نکالنے سے گھبراتے ہیں اور عربی گرامر اور اصول تفسیر کے بغیر مختصر وقت میں قرآن کریم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح

اکثر دینی مدارس میں اصول تفسیر کے بغیر ترجمہ وتفسیر پڑھانے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ جب تین یا چار سال میں ترجمہ وتفسیر مکمل ہو جاتے ہیں تو آخری سال میں اصول تفسیر پڑھا دیے جاتے ہیں' حالانکہ اصول وقواعد پہلے پڑھائے جانے چاہئیں تھے۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان میں اصول تفسیر پر کوئی مختصر اور عام فہم کتاب نہیں ہے جو ابتدائی کلاس میں پڑھائی جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب تحریر کی گئی ہے جس میں سوال و جواب کی صورت میں سلیس انداز میں اصول قرآن وتفسیر مرتب کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب **مناهل العرفان في علوم القرآن' التفسير و المفسرون' الاتقان في علوم القرآن** اور مقدمہ معارف القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ) کا خلاصہ ہے۔ اکثر جگہ حوالے بھی درج کر دیے گئے ہیں تاکہ مراجع دیکھنے کے لیے آسانی ہو۔ امید واثق ہے کہ یہ کتاب دینی مدارس کے طلبہ اور عامۃ الناس دونوں کے لیے مفید ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے امت مسلمہ کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور میرے لیے' میرے والدین اور اساتذہ کرام کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین!

ابونعمان بشیر احمد

مرکز الدعوۃ السلفیہ' ستیانہ بنگلہ' فیصل آباد
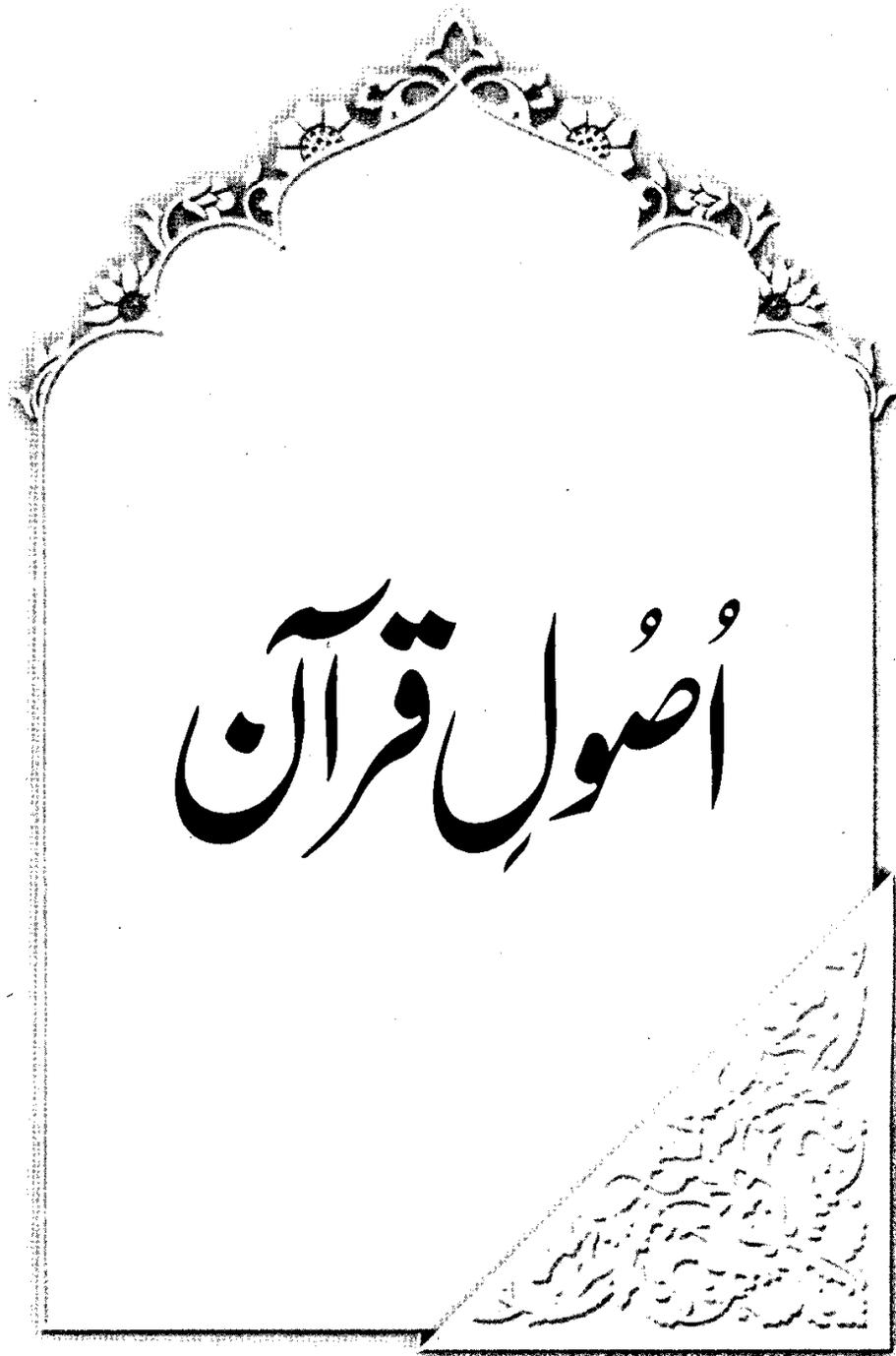
اُصولِ قرآن

قرآن مجید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف‘
اس کی وجہ تسمیہ اور امتیازی خصوصیات

سوال: قرآن کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیجئے۔

جواب: قرآن قَرَءَ یَقْرَأُ کا مصدر ہے جو فُعْلَانٌ کے وزن پر ہے‘ جس کے لغوی معنی‘ جمع اور شامل کرنے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا کیونکہ اس میں بھی قصص‘ امر‘ نہی‘ آیات اور سورتوں کو جمع کیا جاتا ہے۔[1]

اصطلاحی معنی:

«هُوَ كَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ»(ارشاد الفحول، ص:٢٩، ٣٠ ومناهل العرفان في علوم القرآن: ١/ ٢١ ، ٢٢)

’’اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے۔‘‘

یہ تعریف انتہائی جامع و مانع ہے کیونکہ ’’كَلَامُ اللّٰهِ ‘‘ کہنے سے مخلوق کا کلام نکل گیا۔ ’’الْمُنَزَّلُ ‘‘ کہنے سے غیر منزل کلام خارج ہوگیا‘ ’’عَلٰى مُحَمَّدٍ ‘‘ کہنے سے سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والا کلام خارج ہوگیا اور ’’اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ ‘‘ کہنے سے احادیث رسول خارج ہوگئیں۔ قرآن کی ایک اصطلاحی تعریف یہ بھی کی گئی ہے:

«اَلْمُنَزَّلُ عَلَى الرَّسُولِ الْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ،

① لسان العرب: 1/128‘129 و تاج العروس: 1/220‘221

الْمَنْقُولُ إِلَيْنَا نَقْلاً مُتَوَاتِرًا بِلاَ شُبْهَةٍ»(ارشاد الفحول، ص: ٢٩، ٣٠ ومناهل العرفان في علوم القرآن: ١/ ٢١، ٢٢)

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا' صحیفوں میں لکھا ہوا اور ہم تک بلا شبہ تواتر سے منقول ہے۔''

سوال: قرآن مجید کے نام اور ''القرآن'' کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

جواب: قرآن کریم میں اس کے پانچ نام استعمال کیے گئے ہیں:

① اَلْقُرْآن ② اَلْفُرْقَان ③ اَلذِّکْر ④ اَلْکِتَاب ⑤ اَلتَّنْزِیل

❁ ان میں سب سے زیادہ مشہور ''القرآن'' ہے۔ قرآن مجید میں اکسٹھ جگہ اس کا ذکر موجود ہے۔

علامہ ابوالمعالی نے کتاب البرھان میں قرآن کریم کے پچپن نام ذکر کیے ہیں [1] اور بعض نے اس سے بھی زیادہ اکانوے (٩١) تک بیان کیے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے بطور علَم ہونے کے مذکورہ پانچ نام ہی ہیں۔ باقی سب صفاتی نام ہیں' مثلاً کریم' حکیم' مجید وغیرہ۔

وجہ تسمیہ: لفظ ''قرآن'' مصدر ہے' جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور عربی زبان میں مصدر کو کبھی اسم مفعول کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس قرآن بھی اسم مفعول مَقْرُوءٌ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں اور لفظ قرآن کے آخر میں الف ونون مبالغے کے لیے ہیں لہٰذا اس کے معنی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب کے ہیں۔

بعض نے یہ وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن کریم کا یہ نام کفارِ عرب کی تردید

---

① مناهل العرفان: 8/1

میں رکھا گیا۔ وہ کہا کرتے تھے:

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝﴾

(حٰمٓ السجدة :26/41)

''تم اس قرآن کو مت سنو بلکہ اس کی تلاوت کے وقت شور کیا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔''

کفار مکہ کا نظریہ یہ تھا کہ شور مچا کر اس کی آواز کو دبا دیں گے اور کسی کو پڑھنے نہیں دیا جائے گا۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی تردید میں اس کا نام ''قرآن'' رکھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو ہر زمان ومکان میں ہمہ وقت پڑھی گئی اور پڑھی جائے گی۔

۞ **الفرقان:** حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب۔

۞ **الذکر:** اللہ کی بیان کردہ چیزوں کا اس میں ذکر ہے۔

۞ **الکتاب:** بمعنی مکتوب۔

۞ **التنزیل:** بمعنی مُنَزَّل- نازل کی ہوئی کتاب۔

سوال: دوسری الہامی وغیر الہامی کتب کے مقابلے میں قرآن کریم کی کون سی نمایاں خصوصیات ہیں؟

جواب: قرآن کریم کو باقی الہامی وغیر الہامی کتب کے مقابلے میں مندرجہ ذیل خصوصیات حاصل ہیں:

1- قرآن کریم وہ کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

2- یہ وہ کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک صحیح تاریخ تدوین وترتیب کی مالک ہے۔

3- یہ وہ کتاب ہے جس کی سندِ تواتر بے شمار قراء سے ثابت ہے۔

4- یہ وہ کتاب ہے جس کی تلاوت ہمہ وقت دنیا میں جاری رہتی ہے۔
5- یہ وہ کتاب ہے جس کی تعلیم فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور اس سے عالم اور غیر عالم دونوں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
6- یہ وہ کتاب ہے جس کا ترجمہ دنیا کی تقریباً ہر زبان میں ہو چکا ہے اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔
7- یہ وہ کتاب ہے جس کی اشاعت تمام کتب سے زیادہ ہوئی۔ اس کے باوجود اس کے ایک لفظ میں بھی اشتباہ و اختلاط نہیں ہوا۔
8- یہ وہ کتاب ہے جو ثقیل حروف' دقیق محاورات اور رکیک مثالوں سے پاک ہے۔
9- یہ وہ کتاب ہے' جس کے حاملوں' کاتبوں اور قاریوں کے حالات زندگی بھی مسلسل محفوظ ہیں۔
10- یہ وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کے لیے بہت سے نئے علوم ایجاد ہوئے اور ہر دور میں اس کی تفاسیر لکھنے کے لیے علماء کی بڑی جماعت تیار رہی۔
11- یہ وہ کتاب ہے جس کے ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور اس کو نماز میں بطور تلاوت پڑھا جاتا ہے۔
12- یہ وہ کتاب ہے جس کی تلاوت سننا ضروری قرار دیا گیا ہے۔
13- یہ وہ کتاب ہے جسے رسول کریم ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں حفظ و تحریر کروایا۔
14- یہ وہ کتاب ہے جو اب تک اپنی زبان نزول میں محفوظ ہے اور اس کی زبان بھی دنیا میں زندۂ جاوید ہے۔
15- یہ وہ کتاب ہے جس نے تحقیق و تدقیق اور علمی انکشافات کا دروازہ کھولا ہے۔
16- یہ وہ کتاب ہے جس نے توحید خالص کو عام کیا' مساوات کو قائم کیا' سرمایہ داری

کی مذمت کی، عقل وفطرت کے موافق قانون وارثت پیش کیا، عورتوں کے مکمل حقوق بیان کیے اور غلاموں کی آزادی کا راستہ کھولا۔

17- یہ وہ کتاب ہے جس کی فصاحت و بلاغت کو کوئی اور کتاب نہیں پا سکتی۔
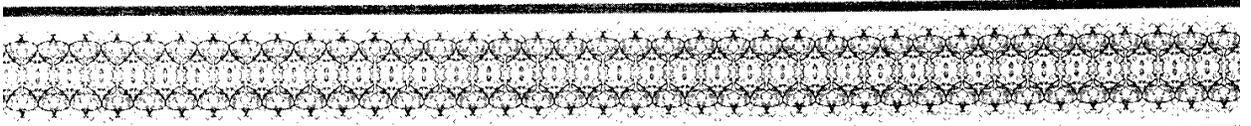
وحی کا بیان

سوال: وحی کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کریں اور اس کی اقسام تحریر کریں۔

جواب: وحی کے لغوی معنی جلدی سے اشارہ کر دینے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

«هُوَ كَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى نَبِيٍّ مِنْ أَنْبِيَائِهِ» (فيض الباري ، شرح صحيح البخاري : ١/ ١٨)

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہُوا ہو۔''

وحی کی اقسام: وحی کی تین قسمیں ہیں:

1-وحی قلبی: وہ وحی جو فرشتے کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کے دل میں القا کر دی جائے اور ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے خواہ یہ حالت بیداری میں ہو یا خواب میں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کا حکم خواب میں دیا گیا۔

2- کلام الٰہی: فرشتے کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ کا اپنے نبی سے ہم کلام ہونا اور اسے براہ راست اپنے احکام دینا۔ یہ وحی کی تمام اقسام سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝﴾ (النساء:164/4)

''اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔''

3-وحی ملکی: اللہ تعالیٰ کا کسی نبی پر اپنے احکام فرشتے کے ذریعے سے بھیجنا۔ فرشتہ کبھی

اپنی اصلی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی بشری شکل میں اور بعض اوقات صرف فرشتے کی آواز سنائی دیتی ہے، شکل نظر نہیں آتی۔

قرآن کریم نے وحی کی مذکورہ تینوں قسموں کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾ (الشوریٰ:42/51)

''کسی انسان کے لیے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (براہ راست) بات کرے سوائے دل میں القاء کر کے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام رساں (فرشتہ) کو بھیج کر۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کے منشاء کے مطابق وحی کرتا ہے۔''

سوال: وحی کی ضرورت واہمیت بیان کیجئے۔

جواب: قرآن کریم رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے وحی کی ضرورت واہمیت جاننا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝﴾ (الذٰریٰت:51/56)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاننے کے لیے علم کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کس طریقے سے زندگی گزارنے پر رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے، اس وقت تک

اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین چیزیں ایسی عطا کی ہیں جن کے ذریعے سے وہ مفید اور غیر مفید چیز میں فرق کرسکتا ہے:

① حواس خمسہ ② عقل ③ وحی۔

انسان کو کچھ چیزوں کے مفید اور غیر مفید ہونے کا علم حواس سے ہوتا ہے اور کچھ کا عقل سے' اور جو چیزیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہ ہوں ان کا علم وحی کے ذریعے سے عطا کیا گیا ہے۔

علم کے مذکورہ تینوں ذرائع کی اپنی ایک حد ہے جس سے آگے وہ کام نہیں کرسکتے۔ جو چیزیں انسان حواس سے معلوم کرسکتا ہے وہ صرف عقل سے محسوس نہیں کی جاسکتیں' مثلاً:

میرے سامنے ایک طالب علم بیٹھا ہے۔ آنکھ کے ذریعے سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ انسان ہے اور اس کا رنگ گندمی ہے' وغیرہ۔ یہ چیزیں حواس کو معطل کر کے معلوم نہیں کی جاسکتیں۔ عقل نے بتایا کہ اس کے والدین ہیں اگرچہ اس کے والدین میرے سامنے نہیں بیٹھے۔ عقل کو معطل کر کے یہ چیزیں حواس سے معلوم نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا علم حواس اور عقل دونوں سے نہیں ہوسکتا' مثلاً: آدمی کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اس کے ذمے کون کون سے فرائض ہیں؟ ان چیزوں کا علم دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ذریعہ مقرر کیا اسے ''وحی'' کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے لیے مفید اور غیر مفید چیزیں معلوم کرنے کے لیے وحی کی اشد ضرورت ہے اور یہ ایک عظیم ذریعۂ علم ہے۔ حواس اور عقل سے جو چیزیں معلوم نہیں ہوسکتیں۔ وہ ''وحی'' سے حاصل ہوتی ہیں۔

سوال: رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کے مراتب تحریر کریں۔

جواب: علامہ ابن قیم ﷫ نے وحی کے سات مراتب ذکر کیے ہیں:

1- سچے خواب آنا۔ ان سے نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

2- فرشتے دکھائی دیے بغیر ہی کوئی چیز دل میں ڈال دینا۔

3- فرشتے کا بشری صورت میں نبی کریم ﷺ پر وحی لانا۔

4- کبھی گھنٹی کی طرح آواز آتی اور وحی کا نزول شروع ہو جاتا۔

5- فرشتے کا اصلی شکل میں رسول اللہ ﷺ پر وحی لانا۔ اس طرح آپ پر دو مرتبہ وحی ہوئی۔

6- اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہونا' جیسے معراج کی رات آپ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے اور پچاس نمازوں کا ہدیہ ملا۔

7- فرشتے کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ سے پس پردہ ہمکلام ہونا' جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پس پردہ باتیں کی تھیں۔

نوٹ: بعض لوگوں نے آٹھویں مرتبے کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست بغیر حجاب کے باتیں کرنا لیکن اس میں سلف سے خلف تک اختلاف چلا آ رہا ہے۔[1]

سوال: وحی اور کشف والہام میں کیا فرق ہے؟

جواب: وحی اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی نبی پر نازل فرمائے۔ وحی صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے' کسی غیر نبی پر وحی نہیں آ سکتی خواہ وہ ولائت کے کتنے ہی اعلیٰ درجے کیوں نہ حاصل کر لے۔

اور کشف والہام اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے دل میں کوئی

---

[1] زاد المعاد' ص: 18/1 (ملخص)

خیر کی بات القاء کر دے یا ان کی آنکھوں کے سامنے کوئی چیز ظاہر کر دے۔ یعنی وحی کا تعلق صرف انبیاء کے ساتھ ہے اور کشف والہام کا تعلق نبی وغیر نبی دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

نوٹ: (ا) مجدد الف ثانی نے کشف اور الہام میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ کشف کا تعلق حسیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آ جاتا ہے اور الہام کا تعلق وجدانیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی بلکہ دل میں کوئی بات القاء کر دی جاتی ہے۔ [1]

2- وحی اور کشف والہام انبیاء اور اولیاء کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے، جس پر چاہے اور جیسے چاہے نازل فرماتا ہے۔

3- انبیاء پر وحی کبھی الہام کی صورت میں بھی نازل ہوتی تھی لیکن انبیاء کا الہام یقینی ہوتا ہے اور یہ وحی کی ایک قسم ہے۔ اس لیے اس کی پیروی کرنا ضروری ہے جب کہ اولیاء کا کشف والہام یقینی نہیں ہوتا، اور وہ دین میں حجت ہوتا ہے نہ اس کا اتباع فرض ہے۔ بلکہ الہام وکشف نصوص قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ [2]

سوال: وحی متلو اور غیر متلو میں کیا فرق ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ پر جو وحی نازل ہوتی تھی اس کی دو قسمیں ہیں۔

❀ وحی متلو: لغوی لحاظ سے اس کے معنی ہیں، وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے۔ اصطلاحاً اس سے مراد وہ وحی ہے جس میں الفاظ ومعانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف

---

① فیض الباری: 19/1

② الاعتصام للامام شاطبی، ص: 351

سے ہوں۔ اس میں کسی قسم کا تغیر جائز نہیں ہے اور یہ قرآن کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔

❀ وحی غیر متلو: وہ وحی جس کے معانی اللہ کی طرف سے ہوں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوں اور یہ صحیح حدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُوْتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ»(مسند أحمد: ٤/ ١٣١، ح: ١٧٣٠٦)

''مجھے قرآن کریم اور اس کے ساتھ اس کی ہم مثل چیز (حدیث) عطا کی گئی ہے۔''

نوٹ: جس طرح وحی متلو منجانب اللہ ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے' اسی طرح وحی غیر متلو بھی منجانب اللہ ہے اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ وحی غیر متلو کو چھوڑ کر صرف وحی متلو پر عمل کرنا ناممکن ہے۔
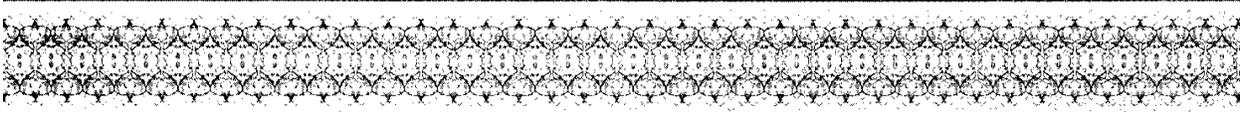
قرآن اور حدیث قدسی کی تعریف
اور ان میں فرق

سوال: قرآن، حدیث اور حدیث قدسی کی تعریف لکھیں نیز قرآن اور حدیث قدسی میں فرق واضح کریں۔

جواب: قرآن کی تعریف:

«هُوَ كَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهِ»(ارشاد الفحول ، ص:۲۹، ۳۰ ومناهل العرفان في علوم القرآن: ۱/ ۲۱، ۲۲)

''اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور اسکی تلاوت کرنا عبادت ہے۔''

حدیث کی تعریف:

«هُوَ مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ أَوْ صِفَةٍ»(تيسير مصطلح الحديث ، ص: ١٤)

''حدیث وہ ہے جس کی نسبت اور اضافت نبی کریم ﷺ کی طرف ہو خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو یا کوئی صفت ہو۔''

حدیث قدسی کی تعریف:

«هُوَ مَا نُقِلَ إِلَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَعَ إِسْنَادِهِ إِيَّاهُ إِلَىٰ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ»(تيسير مصطلح الحديث، ص:١٢٦)

''وہ حدیث جو نبی اکرم ﷺ کے واسطے سے ہم تک پہنچے اور آپ اسے اللہ

تعالیٰ کی طرف منسوب کریں۔"

قرآن اور حدیث قدسی میں فرق:

* قرآن کے الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں' جبکہ حدیث قدسی کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہیں۔
* قرآن سند تواتر سے ثابت ہے اور یہ قطعی الثبوت ہے' جب کہ حدیث قدسی سند تواتر سے ثابت نہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض ضعیف بھی ہیں لہٰذا یہ قطعی الثبوت بھی نہیں ہے۔
* قرآن کریم کو نماز میں بطور تلاوت پڑھا جاتا ہے اور اس کے ہر حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں' جب کہ حدیث قدسی اس کے برعکس ہے۔ البتہ حدیث قدسی کا مطلق ثواب ضرور ہوتا ہے۔
* قرآن مجید ایک ایسا علمی اور ادبی معجزہ اور چیلنج ہے جس کے سامنے اس عہد کے تمام بڑے بڑے ادیب اور شاعر سرنگوں ہو گئے' جب کہ حدیث قدسی سے اس طرح چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

نزول قرآن کا بیان

سوال: نزول کے کیا معنی ہیں؟ نزول قرآن کے مختلف مراحل بیان کریں۔

جواب: نزول مندرجہ ذیل دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے:

1- جگہ پکڑنا: جیسے اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون:23/29)

''اور کہنا میرے رب! مجھے برکت والی جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔''

اسی طرح عربوں کا محاورہ ہے:

«نَـزَلَ الأَمِيرُ الْمَدِينَةَ»

''امیر شہر میں اترا' یعنی رہائش اختیار کر لی۔''

2- اوپر سے نیچے اترنا: جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ (المؤمنون:23/18)

''اور ہم نے بادلوں سے پانی اتارا۔''

نزول قرآن کے مراحل: نزول قرآن کے مندرجہ ذیل تین مراحل ہیں:

1- پہلا نزول لوح محفوظ میں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ﴾ (البروج:85/21'22)

''بلکہ وہ تو قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔''

2- دوسرا نزول لوح محفوظ سے بیت العزت (بیت المعمور) میں ہوا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ (الدخان:3/44)

''ہم نے اسے (قرآن کو) ایک خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ ﴾ (القدر:1/97)

''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''

اور اسی کی بابت فرمایا:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ (البقرة:2/158)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

3- تیسرا نزول بیت العزت سے قلب رسول اللہ ﷺ پر آہستہ آہستہ حسب ضرورت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ ﴾

(بنی اسرائیل: 106/17)

''اور قرآن کریم کو ہم نے متفرق طور پر اس لیے اتارا، تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔''

اس طرح قرآن کریم 22 سال 9 ماہ اور 9 دن میں مکمل ہوا۔ کسروں کو ختم کر کے 23 سال کہا جاتا ہے۔

نوٹ: قرآن کریم میں نزول قرآن کیلئے انزال اور تنزیل دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

اِنْزَال : کسی چیز کا ایک ہی بار مکمل نازل کر دینا۔

تَنْزِیل : کسی چیز کا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ قرآن میں جہاں انزال کا لفظ آیا ہے اس سے مراد لوح محفوظ سے بیت العزت میں نزول ہے اور جہاں تنزیل کا ذکر ہے وہاں بیت العزت سے رسول اللہ ﷺ پر نزول مراد ہے۔

سوال: قرآن کو آہستہ آہستہ نازل کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: قرآن کو آہستہ آہستہ نازل کرنے میں مندرجہ ذیل حکمتیں بتائی جاتی ہیں:

* **تثبیت قلب:** مشرکین و منکرین رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو قدرے پریشانی لاحق ہو جاتی، اس پریشانی کو کافور کرنے اور تسلی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسی آیات نازل فرماتا جس میں آپ ﷺ کی کامیابی اور مشرکین کی ناکامی، اور سابقہ امتوں اور نبیوں کا تذکرہ ہوتا جس سے آپ ﷺ پُرسکون اور مطمئن ہو جاتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾

(ھود: 120/11)

''اور ہم رسولوں کے حال احوال آپ کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو مضبوط کریں۔''

* **رد اعتراضات:** مخالفین کے آئے دن نئے نئے اعتراضات و سوالات ہوتے تھے تو جن آیات میں ان کا جواب تھا ان کا نزول اس وقت ہی مناسب تھا جب وہ سوالات کئے گئے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿ وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ○ ﴾

(الفرقان: 33/25)

''اور وہ آپ کے پاس اس کی مثل کوئی چیز نہیں لا سکتے مگر ہم نے اسے ٹھیک

ٹھیک آپ تک پہنچا دیا ہے اور سب سے اچھی طرح کھول کر بیان کیا ہے۔''

* حفظ و فہم میں آسانی: قرآن کریم کا نزول ایک ان پڑھ قوم پر ہوا۔ ان کی طاقت میں نہ تھا کہ مکمل قرآن یکبارگی سمجھ لیں اور یاد کر لیں اس لیے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تا کہ اسے سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو اور اچھی طرح ان کی تعلیم و تربیت ہو سکے۔

* تدریج: نزول قرآن کے وقت عرب کا معاشرہ انتہائی ابتر ہو چکا تھا۔ ان میں حلال و حرام اور طیب و خبیث کی تمیز ناپید ہو چکی تھی' اس لیے حکمت کا تقاضا تھا کہ ان کی اصلاح درجہ بدرجہ کی جائے تا کہ ان کو احکامات پر عمل کرنے میں بوجھ محسوس نہ ہو' جس طرح تحریم خمر یعنی شراب آہستہ آہستہ حرام قرار دی گئی۔ پہلی دفعہ اس کی قباحت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرة:2/219)

''وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔''

پھر اوقات نماز میں اس کے پینے پر پابندی لگا دی گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء:4/43)

''اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ حتیٰ کہ اپنی بات کو سمجھنے لگو۔''

پھر تیسرے مرحلے میں مکمل حرام کردی گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾ (المائدة:5/90)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بالکل الگ رہو۔''

سوال: آیات کا سبب نزول اور فوائد ذکر کریں' نیز وضاحت کریں کہ ایک ہی آیت کے کئی سبب نزول کیوں بیان کیے جاتے ہیں۔

جواب: نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی آیات دو قسموں پر مشتمل ہیں:

1- وہ آیات جو کسی خاص سوال یا خاص واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی ہوں، مثلاً: آیت لعان وغیرہ۔

2- وہ آیات جو کسی خاص سوال یا خاص واقعہ کی وجہ سے نازل نہیں ہوئیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے نازل کی ہیں۔

سبب نزول: آیات کے نزول کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں:

○ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو جانا اور اس کے حل کے لیے وحی نازل ہونا' مثلاً یہودیوں نے اوس اور خزرج کے درمیان اختلاف کرا دیا اور دونوں فریق لڑنے کے لیے تیار ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝﴾ (آل عمران:3/100)

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے۔''

○ کسی صحابی سے غلطی کا سرزد ہو جانا اور اسکے لیے آیت کا نازل ہونا' مثلاً حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے غلطی ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ﴾ (الحجرات:49/6)

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔''①

○ کسی صحابی کی تمنا کے پیش نظر آیت کا نازل ہونا' مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى؟ فَنَزَلَتْ ﴿ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾» (صحيح البخاري، الصلاة، باب ماجاء في القبلة، ومن لم ير الإعادة ... الخ، ح:٤٠٢)

''میں نے تین باتوں میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کی ہے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کاش کہ ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں! تو یہ آیت نازل ہوئی: ''اور تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔''②

سبب نزول کے فوائد: سبب نزول کی معرفت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

* جس مقصد کے لیے آیت نازل ہوئی ہے اس کی حکمت کی تعیین ہو جاتی ہے' مثلاً:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى ﴾ (النساء:4/43)

''اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ۔''

---

① مسند احمد:4/279

② دوسری بات حجاب کے بارے میں تھی اور تیسری بات جنگ بدر کے قیدیوں کے قتل کرنے کا مشورہ تھا۔

اگر اس آیت کا شان نزول معلوم نہ ہو تو یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ جب شراب حرام ہے تو ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ کیوں کہا گیا؟

* سبب نزول سے آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اشکال رفع ہو جاتے ہیں' مثلاً:

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾

(البقرة:2/115)

''مشرق ومغرب (کی سمتیں) اللہ کے لیے ہیں۔تم جس طرف بھی چہرہ کرو اسی طرف اس کی ذات ہے۔''

اگر اس آیت کا شان نزول ذہن میں نہ ہو تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص سمت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں ہے' حالانکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ اس آیت کے شان نزول سے یہ معلوم ہوا کہ تحویل قبلہ کے وقت جب یہودیوں نے اعتراض کیا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

* آیت کے ظاہری سیاق سے جو سمجھ آ رہا ہو وہ حقیقت میں مقصود نہ ہو تو شان نزول سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے مثلاً:

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ ﴾

(البقرة:2/200)

''جب تم حج کے ارکان مکمل کر لو تو اللہ کا ذکر کرو' جس طرح اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے ہو۔''

اگر آیت کا شان نزول معلوم نہ ہو تو آیت کا ٹکڑا ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ ﴾ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس خاص مقام پر اللہ کی

یاد کو آباؤ اجداد کی یاد سے تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ لیکن سبب نزول سے واضح ہوگیا کہ یہاں ''وقوف مزدلفہ'' کا ذکر ہو رہا ہے۔ مشرکین عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہو کر مزدلفہ میں اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے فخر سے بیان کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''باپ دادوں کے قصے کہانیوں کی بجائے میرا ذکر کیا کرو۔''

* قرآن کریم میں کئی مقام پر کسی خاص واقعہ کو اشارتاً بیان کیا گیا ہے اور جب تک واقعہ معلوم نہ ہو آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا' مثلاً:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال:8/17)

''جب آپ نے پھینکا تھا تو آپ نے نہ پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔''

جنگ بدر میں جب کفار کا گھیراؤ ہوگیا' تو رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر مٹی ان کی طرف پھینکی یا پھر ہجرت کے وقت ایسا کیا تھا۔ اگر شان نزول کا علم نہ ہو تو آیت کو سمجھنا کافی دشوار ہوگا۔

* سبب نزول کی وجہ سے عام کو خاص اور خاص کو عام کرنے کا علم حاصل ہو جاتا ہے' مثلاً:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝﴾ (عبس:80/1'2)

''اس نے ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔''

عَبَسَ وَتَوَلّٰى سے نبی اکرم ﷺ اور اَلْاَعْمٰى سے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

ایک آیت کے متعدد شان نزول ہونے کی وجہ: متقدمین (صحابہ کرام اور تابعین) کسی آیت کے خاص سبب نزول کو اس کے ساتھ مقید نہیں کرتے تھے بلکہ جس واقعہ یا

سوال پر وہ آیت صادق آتی تھی اس پر وہ ''نَـزَلَـتْ فِـيْ كَذَا'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جبکہ متاخرین کسی آیت کے خاص واقعہ یا سوال کو اس کے ساتھ خاص کر کے ''نَزَلَتْ فِيْ كَذَا'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔①

سوال: سب سے پہلے اور آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟

جواب: اس بحث کا تعلق نقل و توقیف سے ہے۔ عقل کو اس میں دخل نہیں' البتہ مختلف دلائل کو دیکھ کر راجح اور مرجوح کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے یا تعارض کو حل کرنے کے لیے تطبیق دی جاسکتی ہے۔

سب سے پہلے اور آخر میں نازل ہونے والی آیت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

1- مطلق طور پر پہلی اور آخری نازل ہونے والی آیت۔

2- بعض تشریحی لحاظ سے پہلی اور آخری آیت۔

پہلی صورت کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں اور ان میں سے راجح یہ ہے کہ **سورۃ العلق** کی ابتدائی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام **سورۃ العلق** کی ابتدائی آیات لے کر آئے۔②

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے **سورۃ المدثر** کا سب سے پہلے نازل ہونا منقول ہے۔ ان میں تطبیق کی دو صورتیں ہیں:

1- مطلق طور پر سب سے پہلے **سورۃ العلق** کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں لیکن فترۃ الوحی (نزول وحی میں ایک لمبے وقفے) کے بعد سب سے پہلے **سورۃ المدثر**

---

① مناهل العرفان' المبحث الخامس (ملخص)

② صحيح البخاری' بدء الوحی' باب كيف كان بدء الوحی...... الخ' حديث:2

نازل ہوئی۔

2- مطلق طور پر سب سے پہلے نازل ہونے والی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں لیکن سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورۃ المدثر ہے لیکن اس تطبیق میں کمزوری ہے کیونکہ سورۃ المدثر مکمل یکبارگی نازل نہیں ہوئی۔

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ﴾ (البقرة:2/281)

اس کی تائید میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف 9 دن زندہ رہے۔

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ...... الآية ﴾ (البقرة:2/282)

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ ...... الآية ﴾ (آل عمران:3/195)

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ...... الآية ﴾

(النساء:4/176)

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا ...... الآية ﴾ (النساء:4/93)

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ (التوبة:9/128)

* بعض کے نزدیک سورۃ النصر سب سے آخر میں نازل کی گئی۔

* بعض کے نزدیک سورۃ المائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

* بعض کے نزدیک سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدة:5/3)

نوٹ: راجح قول یہ ہے کہ مطلق طور پر سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ......الآية ﴾ (البقرة:2/281)

باقی اقوال میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ کوئی احکام کے اعتبار سے' کوئی حلت وحرمت کے اعتبار سے اور کوئی حقوق العباد کے اعتبار سے آخری آیت ہے۔ مکہ میں سب سے پہلے سورة العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور سب سے آخر میں سورة المومنون یا سورة العنکبوت نازل ہوئی اور مدینہ میں سب سے پہلے سورة المطففين یا سورة البقرة اتری اور آخر میں سورة النصر نازل ہوئی۔[1]

❖❖❖

[1] مناهل العرفان' المبحث الرابع (ملخص)

مکی و مدنی سورتیں اور ان کی علامات وخصوصیات

سوال: سورت کے مکی یا مدنی ہونے سے کیا مراد ہے؟ مکی و مدنی سورتوں کی علامات و خصوصیات اور تعداد بیان کریں۔

جواب: جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھیں ان کو مکی سورتیں کہا جاتا ہے' خواہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ کے گردونواح میں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی سورتیں کہلاتی ہیں' خواہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ کے قرب و جوار میں۔ سورتوں کا مکی و مدنی ہونا اکثریت واغلبیت کے اعتبار سے ہوتا ہے ورنہ بعض مکی سورتوں میں مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں مکی آیات بھی پائی جاتی ہیں۔

مکی سورتوں کی علامات وخصوصیات:

- ہر وہ سورت جس میں سجدہ تلاوت ہو وہ مکی ہوگی۔ ①
- ہر وہ سورت جس میں لفظ "کلا" کے ساتھ کلام کیا گیا ہو' وہ مکی ہوگی۔ ②
- جس میں ﴿یاأیُّھَا النَّاسُ﴾ کے ساتھ کلام کیا گیا ہو وہ مکی ہوگی' سوائے سورۃ البقرہ اور سورۃ الحج کے۔
- ہر وہ سورت جو حروف مقطعات سے شروع ہو وہ مکی ہوگی' سوائے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کے۔
- ہر وہ سورت جس میں سابقہ انبیاء وامم کا تذکرہ ہو وہ مکی ہوگی' سوائے سورۃ البقرہ کے۔

---

① سورۃ الحج کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے اگرچہ اس میں دو سجدے ہیں۔

② یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ آیا ہے جو نصف قرآن کے آخر میں ہیں۔

❁ جس سورت میں آدم علیہ السلام اور ابلیس ملعون کا تذکرہ ہو وہ مکی ہو گی' سوائے **سورۃ البقرہ** کے۔

❁ جس سورت میں توحید و رسالت' حشر و نشر' قیامت اور جنت و جہنم کا ذکر ہو اور مشرکین کے ساتھ دلائل قطعیہ سے بات کی گئی ہو وہ عموماً مکی ہو گی۔

❁ ہر وہ سورت جس میں بنیادی و عمومی فضائل و اخلاق کا ذکر ہو اور مشرکین کے جرائم کا رد کیا گیا ہو' مثلاً: خون بہانا' یتیم کا مال کھانا' بیٹی زندہ درگور کرنا وغیرہ تو ایسی سورت مکی ہو گی۔

❁ مکی سورتوں کی آیات چھوٹی چھوٹی' جامع اور مانع مفہوم والی' ٹھوس اسلوب والی اور انتہائی فصاحت و بلاغت والی ہیں۔ ان میں تشبیہات و تمثیلات' کنایات و مجازات اور استعارات وغیرہ کا کثرت سے استعمال ہوا ہے اور ذخیرہ الفاظ بھی کثرت سے ہے۔

مدنی سورتوں کی علامات وخصوصیات:

❁ جس سورت میں کسی اسلامی فریضے کا یا اسلامی حد کا ذکر ہو وہ مدنی ہو گی۔

❁ جس سورت میں منافقوں کا ذکر ہو وہ مدنی ہو گی' سوائے **سورۃ العنکبوت** کے۔

❁ جس سورت میں اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ کیا گیا ہو وہ مدنی ہو گی۔

❁ جس سورت میں ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہو وہ عموماً مدنی ہو گی۔

❁ جس سورت میں عبادات و معاملات' حدود و میراث' جہاد و قتال' جنگ و جدال' یا صلح کے احکامات اور خاندانی و اجتماعی' اور بین الاقوامی تعلقات کے احکام ہوں وہ مدنی ہو گی۔

نوٹ: مکہ میں قرآن کے مخاطب زیادہ تر مشرک تھے جو توحید و رسالت' حیات بعد الموت اور

قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے منکر تھے اور بدعات فاسدہ کے مرتکب تھے' اس لیے مکی سورتوں میں ان چیزوں کا عقلی و نقلی اعتبار سے اچھی طرح اثبات کیا گیا ہے اور مشرکین کے غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ چونکہ مکہ کے لوگ فصاحت و بلاغت میں بہت مشہور تھے' اس لیے مکی سورتوں میں فصاحت و بلاغت بہت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مدینہ میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اس لیے احکامات کی سخت ضرورت تھی' چنانچہ مدنی سورتوں میں احکامات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح مدینہ میں یہود و منافقین بھی رہتے تھے اس لیے ان کے غلط عقائد و نظریات کی بھی خوب تردید کی گی ہے۔

مکی و مدنی سورتوں کی تعداد:

(الف) بیس سورتوں کے مدنی ہونے پر مفسرین کا اتفاق ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) البقرة (۲) آل عمران (۳) النساء (٤) المائدة
(٥) الانفال (٦) التوبة (۷) النور (۸) الاحزاب
(۹) محمد (۱۰) الفتح (۱۱) الحجرات (۱۲) الحديد
(۱۳) المجادلة (۱٤) الحشر (۱٥) الممتحنة (۱٦) الجمعة
(۱۷) المنافقون (۱۸) الطلاق (۱۹) التحريم (۲۰) النصر

(ب) جن سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے وہ بارہ ہیں:

(۱) الفاتحة (۲) الرعد (۳) الرحمٰن (٤) الصف
(٥) التغابن (٦) المطففين (۷) القدر (۸) البينة
(۹) الزلزال (۱۰) الاخلاص (۱۱) الفلق (۱۲) الناس

(ج) ان مذکورہ بتیس (۳۲) سورتوں کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکی ہیں۔یعنی کل سورتیں ۱۱۴' مدنی سورتیں ۲۰' مکی سورتیں ۸۲ اور مختلف فیہ ۱۲ ہیں۔

❖❖❖
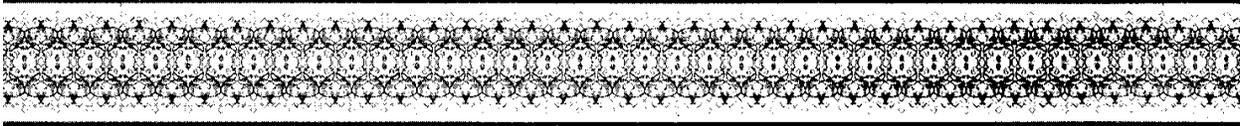
لفظ سورت کی وجہ تسمیہ اور تعریف

سوال: لفظ ''سورت'' کی وجہ تسمیہ اور تعریف بیان کریں؟
جواب: جس وقت قرآن مجید نازل ہوا' اس وقت کے عرب فصحاء و بلغاء نے اپنے اجمالی و تفصیلی کلام کے الگ الگ نام مقرر کیے ہوئے تھے۔ چونکہ قرآن عربوں کے انداز کلام کے مطابق نازل ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اجمالی و تفصیلی کلام کے الگ الگ نام رکھے ہیں۔ عرب لوگ اپنے مجموعی کلام کا نام ''دیوان'' رکھتے تھے تو اللہ نے اپنے کلام کے مجموعے کا نام ''القرآن'' رکھا۔ عرب لوگ چھوٹے کلام کو ''قصیدہ'' کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے مجموعے کا نام ''سورت'' رکھا۔ عرب لوگ اپنے مختصر کلام کا نام ''بیت'' رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ''آیت'' رکھا۔ عرب لوگ اپنی کلام کے اختتام کو ''قافیہ'' کہتے تھے اور قرآنی آیات کے اختتام کو ''فاصلہ'' کہتے ہیں۔
لفظ ''سورت'' کی وجہ تسمیہ: لفظ ''سورت'' مہموز (واؤ کے ہمزہ کے ساتھ) اور غیر مہموز (واؤ کے ہمزہ کے بغیر) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لیکن معنی اور وجہ اشتقاق میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اس کے ماخذ اور اشتقاق کے بارے میں علمائے لغت میں مندرجہ ذیل اختلاف پایا جاتا ہے:

1- علامہ عتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا ماخذ ''سُؤْرٌ'' ہے جس کے معنی ''برتن میں بچی ہوئی چیز'' کے ہیں۔ اس لحاظ سے سورت بھی قرآن کا کچھ حصہ ہوتی ہے۔
2- بعض نے اس کو ''سُؤْرُ البِنَاءِ'' (عمارت کی دیوار) سے ماخوذ کہا ہے' یعنی جس طرح عمارت مختلف اجزا کا مرکب ہوتی ہے اسے طرح قرآن بھی مختلف

سورتوں سے مرکب ہے۔

3- سورت کا لفظ ''سُوْرُ الْمَدِیْنَة'' (شہر کی دیوار) سے اخذ کیا گیا ہے، یعنی جس طرح شہر کی دیوار تمام عمارتوں وغیرہ کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح سورت بھی اپنی تمام آیات کا احاطہ کیے ہوتی ہے۔

4- سورت کا لفظ ''سِوَارٌ'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی کنگن کے ہیں۔ جس طرح کنگن کلائی کو گھیر لیتا ہے اسی طرح سورت بھی اپنی تمام آیات کو گھیر لیتی ہے۔

5- سورت کا معنی ''مرتفع اور بلند ہونا'' بھی ہے گویا کہ سورت کلام اللہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے بہت بلند مرتبہ رکھتی ہے اس لیے اسے سورت کہتے ہیں۔

سورت کی اصطلاحی تعریف: سورت ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو آغاز اور خاتمہ رکھنے والی آیات پر مشتمل ہو اور اس کی کم از کم تین آیات ہوں۔[1]

❖❖❖

① مناهل العرفان، المبحث السابع: ترتيب السور و مقدمه معارف القرآن

سورتوں کے نام رکھنے کا سبب اور
ایک سے زائد نام رکھنے کی حکمت

سوال: سورتوں کے نام کس بنا پر رکھے جاتے ہیں؟ ایک ہی سورت کے ایک سے زائد نام رکھنے کی وجہ اوران کی حکمت بیان کیجئے۔

جواب: مندرجہ ذیل چیزوں کو مدنظر رکھ کر سورتوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔

1- سورت کے ابتدائی لفظ ہی سے اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے' مثلاً: طٰه' یٰسٓ وغیرہ۔

2- سورت کے اندر کوئی ایسا لفظ مذکور ہوتا ہے' جو کسی اہم واقعے کی طرف اشارہ کررہا ہوتا ہے تو اسی لفظ سے سورت کا نام رکھ دیا جاتا ہے' مثلاً: البقرۃ' آل عمران وغیرہ۔

3- سورت کے موضوع کو دیکھتے ہوئے اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے' مثلاً سورۃ الاخلاص۔

زیادہ نام رکھنے کی حکمت: کسی سورت کے ناموں کی کثرت اس کے شرف ومنزلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جس ''مسمّٰی'' کی شان زیادہ ہو اس کو کئی القاب واسماء کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

سورتوں کے اسماء کی وجہ تسمیہ: **1-سورۃ الفاتحۃ:** فاتحہ کا معنی ہے کھولنے والی اور اس جگہ اس سے مراد ہے قرآن حکیم کی ابتدا کرنے والی۔ کیونکہ اس سورۂ مبارکہ سے قرآن مجید کا آغاز ہوتا ہے اس لیے اس کا نام ''الفاتحۃ'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت کے اور بھی بہت سے نام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

١ - فَاتِحَةُ الْكِتَابِ	١٠ - اَلتَّرَاقِيَة	١٩ - سُورَةُ السُّؤَالِ
٢- فَاتِحَةُ الْقُرْآنِ	١١ - اَلشِّفَاءُ	٢٠ ـ سُورَةُ الْحَمْدِالْاُوْلٰى
٣ - اُمُّ الْكِتَابِ	١٢- اَلصَّلوٰةُ	٢١- سُوْرَةُ الْحَمْدِ الثَّانِيَة
٤ - اُمُّ الْقُرْآنِ	١٣ - سُورَةُ الصَّلوٰةِ	٢٢- اَلدُّعَاء
٥-اَلْقُرْآنُ الْعَظِيْم	١٤ - اَلشَّافِيَة	٢٣- سُورَةُ تَعْلِيمِ الْمَسْئَلَة
٦ - اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي	١٥ - اَلإِسَاسُ	٢٤ - سُورَةُ الْمَنَاجَاتِ
٧ - اَلْقَافِيَة	١٦ - اَلنُّورُ	٢٥ ـ سُورَةُ التَّفْوِيضِ
٨ - اَلْوَافِيَة	١٧ - سُورَةُ الْحَمْدِ	
٩ - اَلْكَنْزُ	١٨ - سُورَةُ الشُّكْرِ	

2- سورۃ البقرۃ : ''بقرۃ'' کے معنی ہیں ''گائے'' یا ''بیل''۔اس سورت میں بنی اسرئیل کی ایک گائے کا تذکرہ ہوا ہے۔اسی کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سورت کے تین نام اور بھی ہیں: ①**سُورَةُ فُسْطَاطِ الْقُرْآنِ** ②**سَنَامُ الْقُرْآنِ** ③**سُورَةُ الزهراء.**

3- سورۃ آل عمران: اس سورت میں اولادِ عمران کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد اور عیسیٰ علیہ السلام کے نانا تھے۔عیسائیوں کا عقیدہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ کا تھا۔ان کی تردید کے لیے ان کو آل عمران میں شامل کیا گیا اور حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے قرار دیا گیا۔اس سورت کو **سُورَةُ الطَّيِّبَة** بھی کہتے ہیں، نیز اس کو ''زھرین'' بھی کہتے ہیں۔

4- سورۃ النسآء : اس سورت کا آغاز عورتوں کے مقام ومرتبہ اور حقوق ومراعات کے بارے میں ہے۔اسی نسبت سے اس کا نام **سورۃ النساء** رکھا گیا، یعنی وہ سورت

جس میں عورتوں کے مسائل واحکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

5-سورۃ المآئدۃ: ''مائدۃ'' کا معنی ''دستر خوان'' ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے دستر خوان نازل فرمائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر من وسلویٰ نازل کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام ''سورۃ المائدۃ'' رکھا گیا۔

6- سورۃ الانعام: ''انعام'' کے معنی مویشی اور جانور کے ہیں۔ مشرکین عرب نے مویشیوں کی حلت وحرمت کے بارے میں انوکھے عقائد ایجاد کرر کھے تھے۔ اس سورت میں ان کے باطل عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ نیز لفظ ''انعام'' بھی تکرار سے آیا ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ الانعام'' رکھا گیا ہے۔

7- سورۃ الاعراف: ''اعراف'' عرف کی جمع ہے۔ جس کا معنی بلند اور اونچی جگہ ہے۔ جنت اور جہنم کے درمیان ایک ایسی جگہ ہے جو دونوں کے درمیان حجاب کا کام دیتی ہے اس جگہ کو ''اعراف'' کہا جاتا ہے۔ اس جگہ ان لوگوں کو ٹھہرایا جائے گا جن کے نیک اور برے اعمال مساوی ہوں گے اور کچھ عرصہ وہاں ٹھہرنے کے بعد وہ رحمت الٰہی سے جنت میں جائیں گے۔ اس سورت میں اصحاب اعراف کا تذکرہ ہے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

8- سورۃ الانفال: ''انفال'' نفل کی جمع ہے جس کا معنی زائد چیز ہے۔ اس جگہ اس سے مراد مال غنیمت ہے چونکہ جہاد کا اصل مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے اور جنگ میں ملنے والا مال ایک زائد چیز ہے اس لیے اس کو انفال کہا جاتا ہے۔ اس سورت کا آغاز بھی اسی لفظ سے ہوتا ہے اور اس سورت میں اس کے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں جنگ بدر کا ذکر بھی کیا گیا ہے اس لیے اس کو ''سورۃ

البدر'' بھی کہتے ہیں:۔

9- سورة التوبة: توبہ کا معنی رجوع کرنا یا التفات کرنا ہے۔اس سورت میں''توبہ'' کا لفظ مختلف صیغوں سے پندرہ (۱۵) بار آیا ہے اور اللہ کی صفت''تَوَّابٌ'' دو بار آئی ہے۔ نیز اس میں جنگ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کی توبہ کا تذکرہ ہے اس وجہ سے اس سورت کا نام''سورة التوبة ''رکھا گیا ہے۔اس کے اور بھی درج ذیل نام ہیں:①سُورَةُ البَرَاءَ ةِ ②سورة الفَاضِحَةِ (رسوا کردینے والی)③سُورَةُ العَذَابِ ④سورة المُخْزِعَةِ۔

10- سورة يونس: اس سورت میں حضرت یونس بن متی کا تذکرہ ہے جو بنی اسرائیل میں سے تھے اور عراق کے گردونواح کے علاقے کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔وہ ایک مرتبہ اپنی قوم سے ناراض ہوکر اللہ کی اجازت کے بغیر ہجرت کر کے چلے گئے' سمندر کے سفر کے دوران میں مچھلی نے ان کو نگل لیا۔اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر اس کے پیٹ سے نکالے گئے دوسری طرف ان کی قوم نے عذاب الٰہی دیکھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کر لی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوئی۔اس توبہ کی قبولیت کا تذکرہ اس سورت میں بیان کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام سورۃ یونس رکھ دیا گیا۔

11- سورة هود: اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل عادِ ارم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا جس کی وجہ سے ان کی قوم کو دردناک عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔یہ تمام واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے' اس وجہ سے اس کا نام''سورة هود''رکھا گیا ہے۔

12- سورة يوسف: مشرکین مکہ کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ بنی اسرائیل فلسطین سے مصر کیسے پہنچ گئے' اس سورت میں حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق

بن ابراہیم علیہم السلام کا تذکرہ بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام "سورۃ یوسف" رکھا گیا ہے۔

13- سورۃ الرعد: رعد آسمانی بجلی کی گرج کو کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں ﴿وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ﴾ کے الفاظ سے اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ کائنات میں بظاہر لرزہ خیز چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی طاقت و ہیبت کے سامنے لرز رہی ہیں، اسی لیے اس کا نام "سورۃ الرعد" رکھا گیا ہے۔

14- سورۃ ابراھیم: کسی زمانے میں عراق کی سرزمین میں ستارہ پرستی کا دور دورہ تھا۔ ستاروں کے نام پر مندر تعمیر کیے گئے تھے۔ جن میں سینکڑوں بت سجا کر رکھے ہوئے تھے اور مندروں کے پروہتوں کو آزر کہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک آزر کے گھر میں پیدا ہوئے، توحید کا پرچار کیا اور اپنی قوم، برادری اور حکومت کے نظریات کی تردید کی حتی کہ ایک مندر کے تمام بتوں کو توڑ بھی دیا۔ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اس لیے اس کا نام سورۃ ابراہیم رکھا گیا۔

15- سورۃ الحجر: "حجر" کا معنی پتھروں سے بنا ہوا مکان ہے۔ قوم ثمود کو اصحاب الحجر کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر مضبوط مکان بنائے ہوئے تھے۔ لیکن کردار کی سیاہی حد سے بڑھ گئی تو اچانک ایک سخت آواز نے ان کو دبوچ لیا اس سورت میں ان کا تذکرہ ہے، لہٰذا اس کا نام سورۃ الحجر رکھا گیا ہے۔

16- سورۃ النحل: "نحل" کے معنی شہد کی مکھی کے ہیں۔ شہد کی مکھی اللہ تعالیٰ کی ننھی منّی مخلوق ہے جو اس کی قدرت کا عظیم شہکار ہے۔ یہ دور دراز کے فاصلے طے کر کے پھولوں کا رس نکال کر لاتی ہے اور انتہائی مہذب طریقے سے چھتے میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اس کی زندگی کے طور طریقے انتہائی اطاعت شعاری اور اجتماعیت کی

بہترین مثال پیش کرتے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں شہد کی مکھی کا تذکرہ ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ النحل'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے کئی انعامات کا تذکرہ ہے اس لیے اس کو ''سورۃ النعیم'' بھی کہا جاتا ہے۔

17- سورۃ بنی اسرائیل : اس سورت میں یہود کی حکومت کے عروج اور برے اعمال کی وجہ سے ان کے زوال کی داستان ہے اس لیے اس کا نام سورۃ بنی اسرئیل ہے۔ اس سورت کے آغاز میں نبی کریم ﷺ کے اسراء و معراج کا تذکرہ ہے' اس لیے اس کو ''سورۃ الاسراء'' بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس کی ابتدا سبحان الذی سے ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ سبحان'' بھی رکھا گیا ہے۔

18- سورۃ الکھف : ''کھف'' کا معنی غار ہے۔ اس سورت میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہے جو شرک و کفر کی حکومت سے بغاوت کر کے اللہ کے دین کی خاطر تمام کچھ چھوڑ کر ہجرت کر گئے اور ایک طویل عرصے تک ایک غار میں چھپے رہے' اس سورت میں ان کا تفصیل سے تذکرہ ہے' اس لیے اس کا نام ''سورۃ الکھف'' رکھا گیا ہے۔

19- سورۃ مریم : حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا تذکرہ اور ان کی والدہ کی پاکدامنی بیان کی گئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''سورۃ مریم'' رکھا گیا ہے۔

20- سورۃ طٰہٰ : ''طٰہٰ'' حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس کے معانی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہیں۔ اگرچہ بعض نے اس کے معنی ''اے شخص'' کے کیے ہیں۔ اس سورت کا آغاز اس لفظ سے ہوا ہے' اس لیے اس سورت کا نام ''سورۃ طٰہٰ'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بھی ہے' اس لیے اس کو ''سورۃ کلیم'' بھی کہتے ہیں۔

21- سورۃ الانبیآء: ''انبیاء'' نبی کی جمع ہے۔اس سورت میں بہت سے انبیاء کے اپنی قوم کو توحید الٰہی کا درس دینے اور قوم کے انکار کرنے کا ذکر ہے' نیز فریقین کے انجام کا تذکرہ ہے' اس لیے اس کا نام'' سورۃ الانبیاء'' رکھا گیا ہے۔

22- سورۃ الحج: اس سورت میں دیگر احکام و مسائل کے ساتھ ساتھ حج کے مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔اس کے پیش نظر اس کا نام''سورۃ الحج'' رکھا گیا ہے۔

23- سورۃ المؤمنون: اس سورت کی ابتدائی دس آیات میں اہل ایمان کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں جس کی بنا پر اس کا نام ''سورۃ المؤمنون'' رکھا گیا ہے۔

24- سورۃ النور: ''نور'' سے مراد علم و ایمان کی روشنی ہے اس سورت میں ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے مراد ہے کہ سرچشمۂ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' نیز اس سورت میں معاشرتی احکام بڑے احسن انداز سے بیان کیے گئے ہیں جن کو صحیح معنوں میں جاننے کے لیے نور الٰہی کی اشد ضرورت ہے۔اسی لیے اس کا نام''سورۃ النور'' رکھا گیا ہے۔

25- سورۃ الفرقان: ''فرقان'' کا معنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔اس سورت میں قرآن کو فرقان کہا گیا ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کی کسوٹی ہے۔اس بنا پر اس سورت کا نام''سورۃ الفرقان'' رکھا گیا ہے۔

26- سورۃ الشعرآء: ''شعراء'' شاعر کی جمع ہے۔کفار مکہ اعجاز قرآن کے سامنے لاجواب تھے اور نبی کریم ﷺ پر شاعری کا الزام دھرتے تھے۔اس سورت کے آخر میں شعراء کی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اس کلام الٰہی کا تعلق شعراء سے نہیں ہوسکتا' اس لیے اس کا نام''سورۃ الشعراء'' رکھا گیا ہے۔

27- سورۃ النمل: ''نمل'' چیونٹی کو کہتے ہیں۔اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا

تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک بار اپنے لشکر سمیت چیونٹیوں کی آبادی کے پاس سے گزرے تو ان کی ملکہ نے تمام چیونٹیوں کو متنبہ کیا کہ لشکر سے بچنے کے لیے تم محفوظ جگہ پہنچ جاؤ۔اسی بنا پر اس سورت کا نام''سورۃ النمل''رکھا گیا ہے۔اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر بھی ہے اس لیے اس کو''سورۃ سلیمان''بھی کہتے ہیں

28- سورۃ القصص: ''قصص''مصدر ہے اور اسم مصدر بھی ہے لیکن اس جگہ اسم مصدر یعنی قصہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اسی تذکرہ میں ﴿وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ کے الفاظ ہیں۔اسی لیے اس کا نام سورۃ القصص رکھا گیا ہے۔

29- سورۃ العنکبوت: ''عنکبوت''کے معنی مکڑی کے ہیں۔اس میں چند ایسی قوموں کا تذکرہ ہے جن کو اپنی قوت وتمدن پر بڑا ناز تھا اور اسی ناز کے سیلاب میں انہوں نے عقائد واعمال کا سفینہ غرق کر دیا' احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور یہ سمجھنے لگے کہ اب ہماری طاقت کو کون شکست دے سکتا ہے۔لیکن جب عذاب الٰہی آیا تو ان کی تمام قوت وتمدن مکڑی کا گھر ثابت ہوئی اور آن واحد میں تمام نیست ونابود ہو گئے نیز اس سورت میں مشرکین کے معبودوں کو مکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے اس کا نام''سورۃ العنکبوت''رکھا گیا ہے۔

30- سورۃ الروم: ہجرت مدینہ سے قبل اکثر رومیوں اور ایرانیوں (اہل فارس) کی آپس میں جنگ رہتی تھی۔مسلمانوں کے جذبات رومیوں کے ساتھ تھے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور مشرکین مکہ کے جذبات ایرانیوں کے ساتھ تھے کیونکہ وہ آتش پرست تھے۔ایرانیوں کو رومیوں پر غلبہ حاصل ہوا تو مکہ کے مشرکین نے اس پر خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو طعنہ دیا۔اس سورت میں یہ پیش گوئی کر دی گئی کہ چند ہی

سالوں کے بعد رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے اور مسلمان بھی ایک بڑی خوشی سے ہمکنار ہوں گے۔اس سے اس کا نام ''سورة الروم '' رکھا گیا ہے۔(یاد رہے قرآن کی پیش گوئی ۲ ہجری میں اس وقت پوری ہوئی جب رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی اور انہی دنوں مسلمان فتح بدر کی خوشیاں منا رہے تھے۔)

31- سورة لقمان: اس سورت میں حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے جو بہت بڑے حکیم اور دانا آدمی تھے۔اس سورت میں ان کی اپنے بیٹے کے نام قیمتی پند و نصائح کا تذکرہ ہے۔اسی بنا پر اس کا نام ''سورة لقمان '' رکھ دیا گیا۔

32- سورة السجدة :اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تذکرہ ہے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس کی ذات پر صحیح معنی میں وہی ایمان لانے والے ہیں جو اس کے معجزات کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اس لیے اس کا نام ''سورة السجدة'' رکھ دیا گیا۔

33- سورة الاحزاب :''احزاب'' حزب کی جمع ہے۔ہجرت کے پانچویں سال پورے عرب کے یہودیوں اور مشرکین نے مل کر مسلمانوں پر یلغار کر دی' کئی دن محاصرہ کیے رکھا آخر کار ناکام حالت میں وہ واپس چلے گئے۔اسی مناسبت سے اس کا نام ''سورة الاحزاب'' رکھا گیا۔

34- سورة سبا:کسی زمانے میں یمن میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام سبا تھا۔انہوں نے اپنی وادیوں کا پانی ایک ڈیم کی صورت میں جمع کیا ہوا تھا اور سال بھر اپنی زمینوں کو اس سے سیراب کرتے تھے جس کی وجہ سے انتہائی فراوانی میں تھے۔اللہ تعالیٰ کے احکام کی بغاوت کی وجہ سے وہ ڈیم ٹوٹا اور پوری قوم تباہ و برباد ہوئی ۔اس پورے واقعے کے ذکر کی وجہ سے اس کا نام ''سورة سبا'' رکھا گیا۔

35- سورة فاطر :''فاطر'' کا معنی بغیر کسی نمونے کے تخلیق کرنے والا ہے۔اس

سورت کا آغاز ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ سے ہوا ہے جس میں اللہ کی صفت ''فاطر'' ہے۔ اسی بنا پر اس سورت کا نام ''سورۃ فاطر'' رکھا گیا ہے۔ اس میں چند فرشتوں کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہمہ وقت عمل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کو ''سورۃ الملائکۃ'' بھی کہا گیا ہے۔

36- سورۃ یٰسٓ: اس سورت کا آغاز حروف مقطعات ''یٰسٓ'' سے ہوا ہے جن کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں البتہ بعض علماء نے اس کا معنی ''یاسیّد'' بھی کیا ہے اور مراد نبی ﷺ لیے ہیں۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سورت کو ''قلب القرآن'' اور ''سورۃ المدافعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔

37- سورۃ الصّٰفّٰت: اس سورت کا آغاز ﴿ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴾ سے کیا گیا ہے جن سے مراد صف باندھنے والے فرشتے ہیں۔ اسی سے اس سورت کا نام مقرر کر دیا گیا۔

38- سورۃ صٓ: اس سورت کا آغاز لفظ ''صٓ'' سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء نے ''صٓ'' سے مراد صادق لیا ہے اور مخاطب نبی ﷺ کو سمجھا ہے۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام ''سورۃ صٓ'' رکھا گیا ہے۔

39- سورۃ الزمر: ''زمر'' کا معنی گروہ اور جماعت ہے۔ اس کے آخر میں اچھے اور برے لوگوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ نیک لوگوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور برے لوگوں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس بنا پر اس کا نام ''سورۃ الزمر'' رکھا گیا ہے اور اس میں مومنوں سے جنت کے بالا خانوں کا وعدہ ہے اس لیے اسے ''سورۃ الغرف'' بھی کہتے ہیں۔ جبکہ غرف غرفۃ (بالا خانہ) کی جمع ہے۔

40- سورۃ المؤمن: اس سورت میں ایک مومن کا تذکرہ ہے جس نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ مصر کو چھوڑ کر نکل جائیں کیونکہ فرعون اور اس کے حواری آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا نام ''سورۃ المؤمن'' رکھا گیا ہے۔

اس سورت کی دوسری آیت میں اللہ کی صفت ''غَافِرِ الذَّنبِ'' بیان ہوئی ہے' اس لیے اس کا نام ''سورۃ الغافر'' بھی ہے' نیز اس سورت میں اللہ کی صفت ذِی الطُّولِ بھی ہے اس لیے اس کو ''سورۃ الطول'' بھی کہا جاتا ہے۔

41- سورۃ فصلت : اس سورت کی ابتدا ﴿كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ سے کی گئی ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ فصلت'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے:

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ﴾
(حٰمٓ السجدۃ:37/4)

''نہ تو تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔''

اس بنا پر اس کا نام ''سورۃ السجدۃ'' بھی ہے چونکہ اس کا آغاز ''حٰمٓ'' سے ہوا ہے اس لیے اکیسویں پارے والی ''سورۃ السجدۃ'' سے اسے ممتاز کرنے کے لئے اس کے شروع میں ''حٰمٓ'' بڑھا دیتے ہیں' اس لیے اس کا نام ''سورۃ حٰمٓ السجدۃ'' ہے اور اس سورت کو ''سورۃ المصابیح'' بھی کہا جاتا ہے۔

42- سورۃ الشوریٰ : اس سورت میں مومنوں کی زندگی کا بہترین وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:38/42)

''اور ان کے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔''

اس سے اس کا نام ''سورۃ الشوریٰ'' رکھا گیا۔ اس سورت کا آغاز حروف مقطعات

''حٰمٓ عٓسٓقٓ'' سے کیا گیا اس لیے اس کا نام ''سورۃ حٰمٓ عٓسٓقٓ'' بھی ہے۔

43- سورۃ الزخرف :''زخرف'' کے معنی مزین کرنا' سونا اور سامان آسائش کے ہیں۔اس سورت میں کفار کی راحت قلبی اور حب جاہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کا ساز و سامان اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔وہ چاہے تو ہر انسان کو اس قدر دولت عطا کر دے کہ اس کے گھر' دروازے' سیڑھیاں اور دیگر سامان سونے کا بنا دے۔اسی عنوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سورت کا نام ''سورۃ الزخرف'' رکھا گیا ہے۔

44- سورۃ الدخان :''دخان'' کے معنی دھواں کے ہیں۔اس سورت میں یہ بتلایا گیا کہ قیامت کے روز آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور اس طرح کائنات کا نظام ختم ہو جائے گا۔اسی بنا پر اس کا نام ''سورۃ الدخان'' رکھا گیا ہے۔

45- سورۃ الجاثیۃ :''جاثیۃ'' کا معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہونا ہے۔اس سورت میں قیامت کے احوال ذکر کرتے ہوئے بتلایا گیا ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً﴾ اسی سے اس سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

46- سورۃ الاحقاف :''احقاف'' حقف کی جمع ہے جس کا معنی ریت کا ٹیلا ہے۔اس سے قوم عاد کی طرف اشارہ ہے جو کبھی بڑی پر رونق آبادیاں بسائے ہوئے تھے۔جب ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بن کر آئے اور انہوں نے احکام الٰہی پہنچائے تو قوم کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب آیا جس کے نتیجے میں ان کے محلات اور باغات ریت کے ٹیلے اور کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔اس سورت میں اس کا تذکرہ ہے اس لیے اس کا نام ''سورۃ الاحقاف'' رکھا گیا ہے۔

47- سورۃ محمد:اس سورت کی دوسری آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
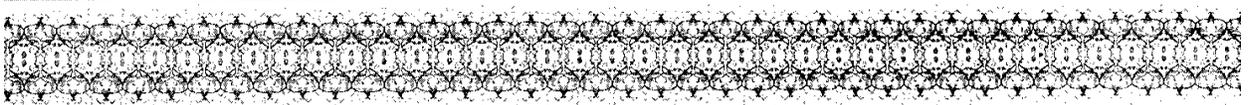
بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لانا لازمی ہے ورنہ کوئی عمل قبول نہیں ہوگا' لہٰذا آپ کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں قتال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اس لیے اس کو "سورة القتال" بھی کہا گیا ہے۔

48- سورة الفتح: اس سورت کی ابتدا فتح کے اعلان (صلح حدیبیہ) سے ہوئی ہے جس میں مسلمانوں کے انجام کو کامیابی اور منکرین کے انجام کو تباہی سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام "سورة الفتح" رکھا گیا۔

49- سورة الحجرات: "حجرات" حجرة کی جمع ہے۔ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے الگ الگ حجرے تھے۔ ایک دفعہ چند دیہاتی آپ کے ہاں آئے اور ان حجروں سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے: "اُخْرُجْ یَا مُحَمَّدُ" ان کے اس انداز کو پسند نہ کیا گیا اور ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجرات:49/4)

"(اے نبی!) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔"

اسی سے اس سورت کا نام رکھا گیا۔

50- سورة قٓ: اس سورت کا آغاز "قٓ" سے کیا گیا جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس حرف "قٓ" کو اس سورت میں کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سورت میں لفظ "بٰسِقٰتٍ" (لمبی لمبی) استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اسے "سورة البٰسقٰت" بھی کہتے ہیں۔

51- سورۃ الذاریات: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے جس سے مراد وہ تیز ہوائیں ہیں جو پانی کو اٹھا کر دور دراز علاقوں تک پہنچاتی ہیں۔

52- سورۃ الطور: اس سورت کا آغاز ﴿ وَالطُّوْرِ ○ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴾ سے کیا گیا ہے اور "طور" سے مراد جبل حرا ہے یا طور سیناء ہے اور اس سے اس سورت کا نام "سورۃ الطور" متعین کیا گیا ہے۔

53- سورۃ النجم: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴾ سے اس کا نام مقرر کیا گیا۔ نجم سے مراد ستارہ ہے۔ بعض نے اس سے مراد قرآن مجید لیا ہے جس کی آیات کہکشاں کی طرح چمک اور دمک رکھتی ہیں اور اسی سے اس سورت کا نام "سورۃ النجم" رکھا گیا ہے۔

54- سورۃ القمر: اس سورت میں انشقاقِ قمر کے معجزے کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین کے مطالبے پر آپ ﷺ سے ظاہر ہوا تھا کہ آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہونے کے بعد دوبارہ مل گیا جو کئی ممالک میں دیکھا گیا اس سے اس کا نام "سورۃ القمر" رکھا گیا۔ اس سورت کی ابتدا ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ سے ہوئی ہے جس میں قیامت کی ہولناکی اور مشرکین کے اپنے نظریات پر بضد ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے اس سورت کا نام "سورۃ اقتربت" بھی رکھا گیا ہے۔

55- سورۃ الرحمٰن: "رحمن" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس سورت کا آغاز اسی سے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن نعمتوں کا تذکرہ بار بار اس میں کیا گیا ہے وہ اس کے رحمان ہونے کا تقاضا ہے ورنہ تمہارے اعمال اس کے

برعکس ہیں۔اس کا دوسرا نام "سورۃ عروس القرآن" ہے کیونکہ یہ اپنے حسن بیان کے اعتبار سے دلھن کی طرح مزین ہے۔

56- سورۃ الواقعۃ: اس سورت کی ابتدا ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ سے کی گئی ہے اور واقعۃ سے مراد واقع ہونے والی قیامت ہے' اسی سے اس کا نام متعین کر دیا گیا ہے۔

57- سورۃ الحدید: اس سورت میں جہاد کا مقام ومرتبہ بیان کرتے ہوئے حربی آلات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فرمایا:

﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾

(الحدید:25/57)

"اور لوہا (بھی) نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔"

اسی سے اس کا نام "سورۃ الحدید" رکھا گیا ہے۔

58- سورۃ المجادلۃ: "مجادلۃ" کا معنی بحث ومباحثہ کرنا اور بضد ہو کر اپنی بات منوانا ہے۔اس سورت میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کو اس کے خاوند نے ظہار کی بنا پر چھوڑ دیا تھا اور وہ بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کر رہی تھی کہ مجھے طلاق نہیں ہونی چاہیے' اس سے اس کا نام "سورۃ المجادلۃ" رکھا گیا۔چونکہ اس میں مسئلہ ظہار بیان کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام "سورۃ الظھار" بھی ہے۔

59- سورۃ الحشر: ہجرت کے چوتھے سال یہودیوں کے قبیلے بنونضیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی۔جس کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کر دیا اور پھر ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور یہ تمام گروہ کی صورت میں نکلے جس کو حشر کے نام سے تعبیر کیا گیا اس لیے یہ "سورۃالحشر" کہلائی اس کا دوسرا نام "سورۃ بنی نضیر" ہے۔

60- سورة الممتحنة: ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں عورتوں کی قید نہ تھی چنانچہ کوئی عورت مسلمان ہوکر مدینے میں آجاتی تو اس کو واپس کرنا لازمی نہ تھا۔ اس سورت میں ایسی عورتوں کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں کہ اگر وہ ہجرت کرکے آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے امتحان لے لیا کریں کہ ہجرت سے غرض اسلام ہے یا دنیاوی لالچ اور طمع۔ اسی سے اس کا نام "سورة الممتحنة" رکھا گیا۔ اس کو بعض نے "سورة الامتحان" اور بعض نے "سورة المرأة" بھی کہا ہے۔

61- سورة الصف: اس سورت میں جہاد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ﴾ (الصف: 61/4)

"اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہوکر لڑتے ہیں۔"

اسی سے اس کا نام "سورة الصف" مقرر کردیا گیا۔ اس سورت کا نام "سورة الحواريين" بھی ہے کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا بھی تذکرہ ہے۔

62- سورة الجمعة: اس سورت میں خطبہ جمعہ کے آداب بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ (الجمعة: 62/9)

"جب جمعہ کی اذان ہوجائے تو خرید وفروخت اور دوسرے دنیاوی کام چھوڑ کر دربار الٰہی کی طرف آجاؤ۔"

اس وجہ سے اس کا نام "سورة الجمعه" رکھا گیا۔

63- سورۃ المنافقون: اس سورت میں منافقوں کے کردار اور ان کی بد باطنی کو واضح کیا گیا ہے اور فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ﴾ (المنافقون:63/1)

''جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اسی سے اس کا نام ''سورۃ المنافقون'' رکھا گیا۔

64- سورۃ التغابن: ''تغابن'' کا معنی دوسرے کا حصہ غبن کر لینا ہے۔ قیامت کے دن مظلوم مسلمان ظالموں کا حصہ غبن کر لیں گے جس طرح دنیا میں انہوں نے ان کا حصہ غبن کیا تھا۔ اس سورت میں قیامت کے دوسرے ناموں کے ساتھ ایک نام ''یوم التغابن'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے اسی سے اس کا نام ''سورۃ التغابن'' مقرر کیا گیا ہے۔

65- سورۃ الطلاق: ''طلاق'' کا لغوی معنی ہے آزاد کر دینا۔ اس سورت میں طلاق کے احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں' اس لیے اس سورت کا نام ''سورۃ الطلاق'' رکھا گیا ہے۔

66- سورۃ التحریم: تحریم کے معنی حرام کر دینے کے ہیں۔ اس میں نبی ﷺ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج کو خوش کرنے کے لیے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (التحریم:66/1)

''اے نبی! جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ اسے حرام کیوں کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس کا دوسرا نام ''سورة المحترمة'' ہے۔

67- سورة الملک: اس سورت کی ابتدا ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ﴾ سے کی گئی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمام قسم کی حکومت اور اختیارات صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہیں۔ ابتدائی لفظ کو دیکھ کر اس کا نام ''سورة تبارک'' بھی ہے نیز اس کو 'سورة المانعة' سورة المنازعة' سورة المنجعة'' بھی کہتے ہیں۔

68- سورة القلم: اس سورت کے ابتدائی الفاظ ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے اور لفظ ''نٓ'' کی وجہ سے اس کا نام ''سورة نٓ'' بھی ہے۔

69- سورة الحآقة: ''الحآقه'' سے مراد وہ چیز ہے جس کا واقع ہونا برحق ہے۔ مراد اس سے قیامت ہے۔ اس میں قیامت صغریٰ و کبریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ قوم عاد و ثمود وغیرہ پر قیامت صغریٰ برپا ہوئی اور کبریٰ کا مرحلہ باقی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام ''سورة الحآقة'' رکھا گیا ہے۔

70- سورة المعارج: ''معارج'' معراج کی جمع ہے جس کا معنیٰ ''سیڑھی'' ہے۔ اس جگہ مراد درجات کی بلندی ہے۔ ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''ذوالمعارج'' کہا ہے یعنی درجات اور بلندیاں اسی کے لیے ہیں اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ چونکہ اس کی ابتدا ﴿سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ﴾ سے ہوئی ہے

اس لیے اس کا نام ''سورۃ سائل'' بھی ہے۔

71- سورۃ نوح: اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت توحید' قوم کے اکھڑپن اور مخالفت اور فریقین کا انجام بیان کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام ''سورۃ نوح'' رکھا گیا ہے۔

72- سورۃ الجن: اس سورت کے ابتدائی حصے میں جنوں کے ایک گروہ کا تذکرہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر ایمان لے آئے۔ اسی سے اس کا نام ''سورۃ الجن'' رکھا گیا ہے۔

73- سورۃ المزّمّل: ''مزمل'' کا معنی کپڑا اوڑھنے والا ہے۔ قریش نے دارالندوہ میں اکھٹے ہو کر آپ کو ایسے نام سے موسوم کرنے کا مشورہ کیا کہ جس سے لوگ آپ سے متنفر ہو جائیں۔ آپ کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ نے کپڑا اوڑھ لیا تو اسی حالت میں یہ کہا گیا: ﴿ يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴾ ''اے کپڑا اوڑھنے والے!'' اسی سے اس سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

74- سورۃ المدثر: ''مدثر'' کا معنی چادر اوڑھنے والا ہے۔ غار حرا کے واقعہ کے بعد کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ بند رہا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے پر چل رہے تھے۔ اوپر سے ندا آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر گبھرا گئے اور گھر آ کر (دَثِّرُوْنِی دَثِّرُوْنِی) ''مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو۔'' کہا تو اسی حالت میں اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اسی سے اس کا نام ''سورۃ المدثر'' رکھا گیا ہے۔

75- سورۃ القیامۃ: اس سورت میں قیامت کا نقشہ بیان کیا گیا ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح ہمیشہ جاری وساری نہیں رہے گا بلکہ ایک وقت

آئے گا کہ اسرافیل کی پھونک سے تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

76- سورۃ الدھر: اس سورت میں زمانے کی حقیقت واضح کی گئی ہے جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اسی بنا پر اس سورت کا نام "سورۃ الدھر" رکھا گیا ہے اور لفظ ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ﴾ کی وجہ سے اسے "سورۃ الانسان" بھی کہتے ہیں۔

77- سورۃ المرسلات: سورت کا نام ﴿ وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴾ سے ماخوذ ہے۔ مرسلات سے مراد تیز بھیجی ہوئی ہوائیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم نظام ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا نام "سورۃ المرسلات" رکھا گیا ہے۔

78- سورۃ النبا: "نَبَأٌ" کا معنی خبر ہے۔ اس سورت میں "النَّبَاِ الْعَظِيْمِ" یعنی قیامت کے متعلق مشرکین کے سوال کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر اس کا نام "سورۃ النبا" رکھا گیا ہے۔ اس کی ابتدا ﴿ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴾ سے ہوئی ہے اس لیے اس کا نام "سورۃ عم یتساء لون" بھی ہے۔

79- سورۃ النّٰزعات: اس سورت کی ابتدا ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴾ سے کی گئی ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی روح انتہائی سختی سے نکالتے ہیں۔ اسی سے اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

80- سورۃ عبس: سورت کی ابتدا ﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰى ﴾ سے ہوئی ہے۔ اسی سے اس کا نام "سورۃ عبس" ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جس وقت آپ کفار کی مجلس کو پند ونصائح کر رہے تھے تو نابینے صحابی کا آنا آپ نے ناپسند

کیا جس بنا پر یہ سورت نازل ہوئی۔

81- سورۃ التکویر: اس سورت کی ابتدا ﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ سے کی گئی ہے جس کے معنی سورج کو لپیٹ لینے کے ہیں اسی سے اس کا نام "سورۃ التکویر" رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ اس کو "سورۃ کوّرت" بھی کہتے ہیں۔

82- سورۃ الانفطار: سورت کی ابتدا ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ سے کی گئی ہے جس کے معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ مراد قیامت والے دن آسمان کا ریزہ ریزہ ہو کر پھٹ جانا ہے۔ اسی سے اس کا نام "سورۃ الانفطار" رکھا گیا ہے۔

83- سورۃ المطففین: "مُطَفِّفِيْن" سے مراد ناپ تول میں کمی کرنے والے ہیں۔ اس سورت میں ناپ تول میں کمی کرنے والے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام "سورۃ المطففین" رکھا گیا ہے۔

84- سورۃ الانشقاق: اس سورت کی ابتدا ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ سے کی گئی ہے، مراد قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا ہے۔ اسی سے سورت کا نام "سورۃ الانشقاق" رکھا ہے۔

85- سورۃ البروج: سورت کی ابتدا ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴾ سے کی گئی ہے۔ "بروج" برج کی جمع ہے، اس سے مراد برجوں والا آسمان ہے اور اسی سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

86- سورۃ الطارق: سورت کی ابتدا ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴾ سے کی گئی ہے۔ "طارق" سے مراد رات کو آ کر دروازہ کھٹکھٹانے والا ہے۔ اس سورت میں اس سے مراد رات کو ٹوٹنے والا ستارہ ہے اور اسی سے اس کا نام "سورۃ الطارق" رکھا گیا ہے۔

87- سورة الاعلیٰ: یہ نام سورت کی پہلی آیت ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴾ سے ماخوذ ہے اور ''اعلیٰ'' سے مراد سب سے بلند و برتر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

88- سورة الغاشية: اس سورت کی پہلی آیت ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ ''الغاشية'' سے مراد ڈھانپ لینے والی قیامت ہے۔

89- سورة الفجر : سورت کی ابتدا میں ''الفجر'' کا ذکر ہے جس سے مراد پو پھوٹنے کا وقت ہے۔ اسی سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

90- سورة البلد: سورت کی پہلی آیت ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ سے نام رکھا گیا ہے اور ''البَلَد'' سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

91- سورة الشمس: سورت کی ابتدا ﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴾ سے ہوئی ہے۔ ''شمس'' یعنی سورج اپنی توانائی سے ابھرتا اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے اور یہی انسان کی حالت ہے کہ پیدائش کے بعد جوانی کی طرف اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ابتدائی لفظ ہی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

92- سورة الّيل: پہلی آیت ﴿ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ سے یہ نام اخذ کیا گیا ہے، جس میں ''لیل'' یعنی رات یا رات کی تخلیق میں غور وفکر کرنے پر قسم کھائی گئی ہے۔

93- سورة الضحیٰ: پہلی آیت ﴿وَالضُّحٰى﴾ سے نام رکھا گیا ہے۔ ''ضحی'' سے چاشت کا وقت مراد ہے جب سورج چڑھ کر کافی اونچا ہو جاتا ہے۔

94- سورة الم نشرح: اللہ تعالیٰ نے سورت کی پہلی آیت میں نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ ﴾ (الم نشرح: 1/94)

''کیا ہم نے (اسلام کے لیے) آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟''

اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔اسے ''سورۃ الانشراح'' بھی کہا جاتا ہے۔

95- سورۃ التین: پہلی آیت ﴿وَ التِّيْنِ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا ہے اور ''التین'' سے مراد انجیر ہے۔

96- سورۃ العلق: اس سورت میں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ فرمایا گیا ہے۔ ''عَلَق'' سے مراد خون کا جما ہوا لوتھڑا ہے۔اس سورت میں انسان کی تخلیق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کو ''عـلـق'' سے پیدا کیا گیا ہے' اس لیے وہ اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرے۔اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

97- سورۃ القدر: اس سورت میں لیلۃ القدر کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے' جو رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے اور اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

98- سورۃ البینۃ: ''بیّنۃ'' کا معنی واضح اور روشن دلیل ہے۔آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ ایک نبی روشن دلیل کی صورت میں ان کے پاس آنے والا ہے اور وہ اس پر ایمان لا کر مخالفین سے انتقام لیں گے لیکن وہ نبی کے آنے کے باوجود باطل پر بدستور قائم رہے۔اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ اسی سے اس کا نام ''سورۃ البینۃ'' مقرر کیا گیا۔اس کا نام ابتدائی لفظ سے ''سورۃ لم یکن'' بھی رکھا گیا ہے۔

99- سورۃ الزلزال: ''زلزال'' سے مراد سخت جھٹکے دینا اور زور سے ہلانا ہے۔اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن زمین انتہائی شدید زلزلوں کی وجہ سے اپنے اندر کی تمام اشیاء باہر نکال دے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

100- سورة العٰدیٰت: سورت کی پہلی آیت ﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا۔ مراد اس سے مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو گرد و غبار اڑاتے ہوئے تیز رفتاری سے دشمنوں کی صفوں میں جا گھستے ہیں۔

101- سورة القارعة: ''القارعة'' کا معنی ''کھٹکھٹانے والی'' ہے۔ اور اس سے مراد قیامت ہے اس سورت میں انتہائی اختصار کے ساتھ قیامت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا اور انوکھے انداز سے ابتدا کی گئی ہے۔

102- سورة التکاثر: ابتدائی آیت ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ ''تکاثر'' کا معنی ہے ایک دوسرے سے مال کی کثرت میں مقابلہ کرنا۔ اس سورت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان ہمیشہ مال و دولت میں مقابلہ کرنے کی وجہ سے اپنا اصل مقصد حیات کس طرح فراموش کر دیتا ہے۔

103-سورة العصر: ''عصر'' سے مراد وقت عصر یا زمانہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہمیشہ وہی قوم کامیاب ہوتی ہے جو ایمان لائے، عمل صالح کرے، دوسروں کو حق کی وصیت کرے اور مصائب پر صبر کرے۔ ابتدائی لفظ ہی سے سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

104- سورة الهُمزة: ''هُمَزَة'' سے مراد دوسروں کی عزت کم کرنے کے لیے تہمت اور الزام لگانے والا ہے۔ اس میں غیبت کرنے اور تہمت لگانے والے کو وعید سنائی گئی ہے اور ابتدائی آیت ہی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔

105- سورة الفیل: اس سورت میں ''اصحاب الفیل''، یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو لشکر جرار لے کر بیت اللہ کو گرانے کا ارادہ رکھتا تھا تو اللہ نے چھوٹے پرندوں کے ذریعے سے اس کو تباہ و برباد کیا اور اسی وجہ سے اس کا

نام "سورۃ الفیل" رکھا گیا ہے۔

106- سورۃ قریش: نبی ﷺ کا تعلق خاندان قریش سے تھا۔ ابتدا میں آپ ﷺ کے خاندان قریش نے آپ کی مخالفت کی تو اس سورت میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد کرائے گئے اور حق قبول کرنے کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ پہلی آیت ہی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔

107- سورۃ الماعون: "ماعون" سے مراد استعمال کی معمولی اشیاء ہیں۔ اس سورت میں استعمال کی معمولی اشیاء کو رعایتاً نہ دینے پر مذمت کی گئی ہے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو معمولی اشیاء کی قربانی نہیں دے سکتا وہ بڑی چیزوں کی قربانی کیسے دے گا۔ اس سورت کا نام "اَرَأیتَ" اور "الدّین" بھی رکھا گیا ہے۔

108- سورۃ الکوثر: "کوثر" حوض کا نام ہے جو نبی ﷺ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا اور آپ ﷺ اس سے اپنے ماننے والوں کو اپنے دست مبارک سے جام پلائیں گے۔ اسی سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔

109- سورۃ الکافرون: کافروں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو پیش کش کی کہ آپ ہمارے معبودوں کی مخالفت نہ کیا کریں اور کچھ لو اور کچھ دو والا طریقہ اپنا لیں تو اس پر کفار کو واضح طور پر بتلا دیا گیا کہ ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ "جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرسکتا۔" اس کی ابتدائی آیت ہی سے اس کا نام ماخوذ ہے۔

110- سورۃ النصر: اس سورت میں ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نصرت و تائید اور اشاعت اسلام کی خبر دی ہے اور اسی سے سورت کا نام "سورۃ النصر" مقرر کیا گیا ہے۔

111- سورۃ اللھب: اس سورت میں ابولہب کی ہلاکت وتباہی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ابولہب نبی ﷺ کا چچا تھا جس کا نام عبدالعزیٰ تھا اس کے رخسار کا رنگ آگ کے شعلوں کی طرح تھا جس وجہ سے اس کو ابولہب کہا جاتا تھا۔اس سے اس کا نام ''**سورۃ اللھب**'' رکھا گیا ہے۔اس کی ابتدا ''**تَبَّتْ**'' سے ہوتی ہے اس لیے اس کا نام ''**تَبَّتْ**'' اور ''**مَسَد**'' بھی ہے۔

112- سورۃ الاخلاص: ''اخلاص'' کے معنی صاف وشفاف اور بغیر آمیزش کے ہیں۔اس سورت میں انتہائی اختصار اور صاف شفاف طریقے سے توحید واضح کی گئی ہے اور شرک کی بیخ کنی کی گئی ہے۔اس کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔علامہ آلوسی نے اس کے بیس نام بیان کیے ہیں۔

113- سورۃ الفلق: سورت کی ابتدا ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ سے کی گئی ہے۔ ''فلق'' کا معنی صبح کا پھوٹنا ہے۔اسی سے اس کا نام ''**سورۃ الفلق**'' رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں بتلایا گیا ہے کہ اندھیروں کو پھاڑ کر صبح لانے والے رب کی پناہ طلب کرو ہر اس شر سے جو انسان کو ظلمت کے اندھیروں کی طرف لے جائے۔اس کو ''**سورۃ المعوذۃ**'' بھی کہتے ہیں۔

114- سورۃ الناس: پہلی آیت ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سے اس کا نام اخذ کیا گیا ہے۔اس سورت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ لوگوں کے رب کی پناہ طلب کرو دلوں میں برے خیالات ڈالنے والے کے شر سے۔اس سورت کو بھی ''**سورۃ المعوذۃ**'' کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورتیں، آیات، کلمات اور حروف

سوال: قرآن مجید کی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد مع اختلاف لکھیں۔

جواب: راجح قول کے مطابق قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔

آیات کی تعداد: قرآن کریم کی آیات کی تعداد کے بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

- اکثر علماء کے نزدیک کل آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار چھ سو سولہ (6616) آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سولہ (6216) آیات ہیں۔
- بعض کے نزدیک چھ ہزار دو سو سینتیس (6237) آیات ہیں۔

کلمات کی تعداد: قرآن پاک کے کلمات کی تعداد کے بارے میں درج ذیل مشہور اقوال ہیں:

- ستتر ہزار نو سو تینتیس (77933)
- ستتر ہزار چار سو سینتیس (77437)
- ستتر ہزار دو سو ستتر (77277)

حروف کی تعداد: اس میں مشہور قول دو ہیں:

- تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (323671)
- تین لاکھ تیئیس ہزار سات سو ساٹھ (323760)

سوال: سورتوں کی ترتیب اور اقسام کے بارے میں نوٹ لکھیں۔

جواب: سورتوں کی ترتیب: قرآن مجید کی آیات کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب کو

جاننا بہت ضروری ہے۔ مفسرین اور علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی نبی ﷺ نے جبرئیل کی اطلاع کے مطابق ہر سورت کے اندر آیات کو مرتب کیا اور کئی ایک احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے کہ موجودہ مصحف کی ترتیب بھی رسول اللہ ﷺ نے بتلائی تھی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا ہے۔

سورتوں کی اقسام: قرآن پاک کی سورتوں کی مختلف اقسام بنائی گئی ہیں، مثلاً:

1- طَوَاسِیم: وہ سورتیں جو "طٰسٓ" یا "طٰسٓمٓ" سے شروع ہوتی ہیں۔

2- حَوَامِیم: وہ سورتیں جو "حٰمٓ" سے شروع ہوتی ہیں۔

3- مُسَبَّحَات: وہ سورتیں جو "سَبَّحَ" یا "یُسَبِّحُ" سے شروع ہوتی ہیں۔

4- العِتَاقُ الاُوَل: یہ پانچ سورتیں ہیں: ① بنی اسرائیل ② الکهف ③ مریم ④ طٰه ⑤ الانبیاء۔

قرآن مجید کی سورتوں کو ایک اور انداز سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1- اَلسَّبْعُ الطِّوَال: سورۂ فاتحہ کے بعد والی سات لمبی سورتوں کو "سبع الطوال" کہتے ہیں۔

2- المِئِین: وہ سورتیں جن کی آیات سو (100) یا اس سے زیادہ ہوں ("سبع الطوال" کے علاوہ) ان کو "المئین" کہتے ہیں۔

3- المَثَانِی: وہ سورتیں جن کی آیات سو (100) سے کم ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں۔ "مثانی" کا معنی ہے بار بار دہرائی جانے والی۔ یہ "طوال اور مئین کی نسبت زیادہ دہرائی جاتی ہیں یا ان میں احکام و قصص کو تکرار سے بیان کیا گیا ہے اس لیے ان کو مثانی کہتے ہیں۔

4- الْمُفَصَّل: سورۃ قٓ یا سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تک کا حصہ مفصل کہلاتا ہے۔اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

1- طِوَالُ الْمُفَصَّل: سورۃ الحجرات یا سورۃ قٓ سے سورۃ البروج تک۔

2- اَوْسَاطُ الْمُفَصَّل: سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ تک۔

3- قِصَارُ الْمُفَصَّل: سورۃ البینۃ سے سورۃ الناس تک۔

سوال: قرآن مجید کی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن کا نصف کہاں ہوتا ہے؟

جواب: 1- سورتوں کی گنتی کے اعتبار سے ''سورۃ الحدید '' پر پہلا نصف ختم ہوتا ہے اور ''سورۃ المجادلۃ'' سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

2- آیات کے اعتبار سے سورۃ الشعراء کی آیت 45: ﴿ فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴾ تک نصف اول ہوتا ہے اور ﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴾ (آیت:46) سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

3- کلمات کے اعتبار سے سورۃ الحج کی آیت نمبر 20 کے کلمہ ﴿وَالْجُلُوْدُ﴾ پر نصف اوّل ختم ہوتا ہے اور آیت نمبر 21 کے کلمہ ﴿وَلَهُمْ مَّقَامِعُ﴾ سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔

4- حروف کے اعتبار سے نصف کے بارے میں دو قول ہیں:

۞ سورۃ الکہف آیت نمبر 19 کے لفظ ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ پر نصف اول مکمل ہوتا ہے۔

۞ سورۃ الکہف آیت نمبر 74 کے لفظ ﴿ نُكْرًا ﴾ کے کاف پر نصف اول مکمل ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف قراءات

سوال: قرآن مجید سات قراءتوں میں نازل ہوا۔ اس کی وضاحت کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اس امت پر یہ احسان کیا کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے مختلف قبائل تھے۔ اگرچہ تمام قبائل کی زبان عربی تھی لیکن بعض الفاظ اور لہجوں میں بہت فرق تھا۔ بعض اوقات ایک قبیلے کا آدمی دوسرے قبیلے کے بعض الفاظ ادا نہ کرسکتا تھا' اس لیے قرآن مجید کی قراءت میں وسعت پیدا کردی گئی ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلٰى حَرْفٍ، فَرَاجَعْتُهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ فَيَـزِيدُنِي ، حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ» (صحيح البخاري، فضائل القرآن ، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف ، ح: ٤٩٩١ وصحيح مسلم ، صلاة المسافرين ، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف وبيان معناها، ح: ٨١٩)

''جبرئیل نے مجھے قرآن ایک قراءت میں پڑھایا۔ تو میں مسلسل زیادہ قراءتوں میں قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ سات قراءتوں تک اجازت لے لی۔''

اور ایک روایت میں ہے:

«إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ»(صحيح البخاري ، فضائل القرآن ، باب أنزل

القرآن علی سبعة أحرف، ح: ٤٩٩٢ وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب بیان أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف وبیان معناها، ح: ٨١٨)

''یہ قرآن سات قراءتوں میں نازل کیا گیا ہے ان میں سے جو قراءت بھی تمہیں آسان معلوم ہو اسی کے مطابق پڑھ لو۔''

''سَبْعَةِ أَحْرُفٍ'' کے مفہوم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو قراءتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، ان میں باہمی فرق و اختلاف درج ذیل سات نوعیتوں کا ہے۔

1- اسماء کا اختلاف: اس سے مراد مفرد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث کا اختلاف ہے، مثلاً ایک قراءت میں ﴿تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ﴾ ہے اور ایک میں ﴿تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ﴾ ہے۔

2- افعال کا اختلاف: کسی قراءت میں فعل ماضی، کسی میں فعل مضارع یا امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح باب کا مختلف ہونا بھی اسی میں شامل ہے مثلاً ایک قراءت میں:

﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ اور دوسری میں: ﴿بَعِّدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ ہے۔

3- وجوہ اعراب کا اختلاف: مختلف قراءتوں میں اعراب یعنی زبر، زیر اور پیش کا اختلاف ہے، مثلاً ایک قراءت میں ﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ﴾ اور دوسری میں ﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ﴾ ہے۔ اسی طرح ایک قراءت: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ﴾ ہے اور دوسری قراءت میں ﴿الْمَجِيدُ﴾ ہے۔

4- الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: ایک قراءت میں کم الفاظ اور دوسری میں زیادہ ہیں، مثلاً ایک قراءت میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ﴾ ہے اور دوسری میں

﴿وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى﴾ ہے یعنی دوسری میں ''مَا خَلَقَ'' نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ﴾ اور دوسری میں ﴿تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ﴾ ہے۔

5۔ تقدیم وتاخیر کا اختلاف: یعنی ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں موخر ہو' مثلاً: ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ اور ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾ ہے۔

6۔ بدلیت کا اختلاف: یعنی ایک قراءت والے لفظ کے بدلے دوسری قراءت میں کوئی اور لفظ ہو۔ مثلاً ﴿نُنْشِزُهَا﴾ اور ﴿نَنْشُرُهَا﴾ اسی طرح ﴿طَلْحٍ﴾ اور ﴿طَلْعٍ﴾ ہے۔

7۔ لہجوں کا اختلاف: اس میں تفخیم وترقیق' امالہ' مدّ' قصر' اظہار اور ادغام وغیرہ کا اختلاف شامل ہے' مثلاً ایک قراءت میں ہے ''موسیٰ'' اور دوسری میں ہے ''موسَیٰ'' اسی طرح ''مَجْرَيْهَا'' اور مَجْرٰهَا'' ہے۔

نوٹ: بعض مفسرین کے نزدیک ان سات حروف (قراءتوں) کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں آیات کی معنوی طور پر سات قسمیں ہیں لیکن ان میں بھی اختلاف ہے۔ چند ایک مشہور اقوال درج ذیل ہیں:

- ان حروف سے مراد یہ چیزیں ہیں: امر' نہی' حلال' حرام' محکم' متشابہ اور امثال۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: وعدہ' وعید' حلال' حرام' مواعظ' امثال اور احتجاج۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: محکم' متشابہ' ناسخ' منسوخ' عموم' خصوص اور قصص۔
- ان سے مراد یہ امور ہیں: مطلق' مقید' عام' خاص' مشترک' مؤوّل اور ناسخ ومنسوخ۔

اس قسم کے چالیس اقوال ہیں لیکن یہ تمام مرجوح ہیں اور جن اقوال کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ راجح ہیں۔[1]

قراءتوں کے بارے میں مزید وضاحت: چونکہ ابتدائے اسلام میں لوگ اسلوب قرآن سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لیے ان سات اقسام کے دائرے میں بہت سی قراءتوں کی اجازت دی گئی تھی۔ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی' اس سال آپ نے دو بار دور کیا۔ اس موقع پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں اور چند قراءتیں باقی رکھی گئیں جو اب تک متواتر چلی آ رہی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کے معاملے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اپنے عہد خلافت میں قرآن مجید کے سات نسخے تیار کروائے اور ان میں تمام قراءتوں کو اس طرح جمع کروایا کہ قرآن کریم کی آیات پر نقطے اور حرکات نہیں ڈالے گئے تھے تاکہ ان مذکورہ قراءتوں میں سے جس طرح کوئی شخص پڑھنا چاہے پڑھ سکے۔ اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئی تھیں اور جو قراءتیں اس رسم الخط میں نہ سما سکیں ان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ بتایا کہ ایک نسخہ ایک قراءت کے مطابق لکھا اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق۔ علمائے امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کے یاد کرنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ ''علم قراءت'' ایک مستقل فن بن گیا اور سینکڑوں مفسرین اور علماء وحفاظ نے اپنی عمریں اس میں صرف کر دیں۔ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سات نسخے مختلف علاقوں میں بھیجے تو ان کے ساتھ ایسے قرائے کرام کو بھی بھیجا جو ان کی تلاوت سکھلائیں چنانچہ یہ قراء حضرات

---

[1] مناهل العرفان فی علوم القرآن' المبحث السادس فی نزول القرآن علی سبعة احرف

مختلف علاقوں میں پہنچے اور ہر ایک نے اپنی اپنی قراءت کے مطابق پڑھانا شروع کر دیا اور یہی قراءتیں لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور ہر علاقے کے لوگ ان میں کمال حاصل کرنے کے لیے ائمہ قراءت کی طرف رجوع کرنے لگے۔ کسی نے صرف ایک قراءت یاد کی' کسی نے دو اور کسی نے زیادہ۔ البتہ اس سلسلے میں ایک اصول پوری امت میں مسلم تھا اور وہ یہ تھا کہ صرف وہی قراءت قرآن کی حیثیت سے قبول کی جائے گی جس میں تین شرطیں ہوں۔

○ مصاحف عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

○ عربی لغت کے قواعد کے مطابق ہو۔

○ اور وہ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور ائمہ قراءت میں مشہور بھی ہو۔

جس قراءت میں مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوا سے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ بہرحال اسی طرح متواتر قراءتوں کی ایک بڑی تعداد نسل در نسل نقل ہوتی رہی اور سہولت کے لیے یہ بھی ہوا کہ ایک امام نے ایک یا چند قراءتوں کو اختیار کر کے ان کی تعلیم دینی شروع کر دی بعد میں وہی قراءت اس امام کے نام سے منسوب کی جانے لگی' پھر علماء نے ان قراءتوں کو جمع کر کے کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: ابن مجاہد نے فن قراءت میں ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے صرف سات قراءتیں ذکر کیں' جب کہ اس سے پہلے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں جن میں قراءتوں کی تعداد بیس سے زیادہ ذکر کی گئی تھی۔ ابن مجاہد کی سات قراءتیں اتنی مشہور ہوئیں کہ لوگ سمجھنے لگے کہ صحیح اور متواتر قراءتیں صرف یہی ہیں' حالانکہ حقیقت میں ابن مجاہد نے محض اتفاقاً ان سات قراءتوں کو جمع کیا تھا۔ ان کا خیال ہرگز یہ نہیں تھا کہ دوسری قراءتیں غلط یا ناقابل قبول ہیں۔

سات قراء: علامہ ابن مجاہد کے اس کام سے جو سات قاری زیادہ مشہور ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

1- عبداللہ بن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 120 ھ): ان کی قراءت مکہ میں زیادہ مشہور تھی۔
2- نافع بن عبدالرحمان بن ابونعیم مدنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 169 ھ): ان کی قراءت مدینہ میں زیادہ مشہور تھی۔
3- عبداللہ بن عامر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 118 ھ): یہ ابن عامر کے نام سے مشہور تھے۔ان کی قراءت شام میں زیادہ مشہور تھی۔
4- ابوعمرو بن العلاء بن عمار بصری مازنی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 154ھ): ان کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔
5- ابوعمارہ حمزہ بن حبیب زیّات کوفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 156 ھ): ان کی قراءت کوفہ میں زیادہ مشہور تھی۔
6- عاصم بن ابوالنجو داسدی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 127 ھ): ان کی قراءت کوفہ میں مشہور تھی اور آج کل برصغیر میں قراءت کا دارومدار عموماً ان کی طرز پر ہے۔
7- ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی کوفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 189 ھ): ان کی قراءت بھی کوفہ میں مشہور تھی۔

جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ قرآن پاک کی سات ہی قراءتیں ہیں تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے علماء نے دس قراءتوں کو جمع کیا اور وہ ''قراءت عشرہ'' کی اصطلاح سے مشہور ہوئیں۔مزید تین قراءتیں درج ذیل ہیں:

1- ابومحمد یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (205ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔

2- خلف بن ہشام بزار بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (229ھ) کی قراءت کوفہ میں مشہور تھی۔

3- ابوجعفر یزید بن قعقاع رحمۃ اللہ علیہ (128ھ) کی قراءت مدینہ میں مشہور تھی۔

بعض نے چودہ قراءتیں جمع کی ہیں اوران چار کا اضافہ کیا ہے:

1- حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (110ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔

2- محمد بن عبدالرحمان رحمۃ اللہ علیہ (123ھ) کی قراءت مکہ میں مشہور تھی۔

3- یحییٰ بن مبارک یزیدی رحمۃ اللہ علیہ (202ھ) کی قراءت بصرہ میں مشہور تھی۔

4- ابوالفرج شنبوذی رحمۃ اللہ علیہ (388ھ) کی قراءت بغداد میں مشہور تھی۔

نوٹ: پہلی دس قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں اور باقی چار شاذ ہیں۔
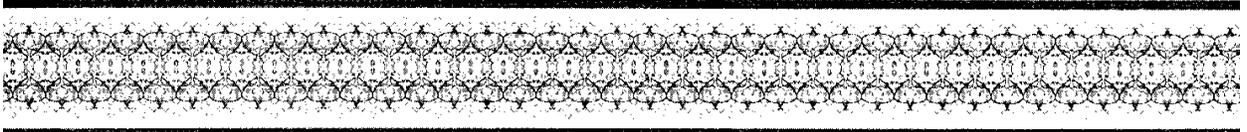
ناسخ اور منسوخ کا بیان

سوال: نسخ کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کر کے اس کا نقلی وعقلی ثبوت پیش کریں۔

جواب: لغت میں نسخ کا معنی مٹانا اور ازالہ کرنا ہے۔

اصطلاحی معنی:

«رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيلٍ شَرْعِيٍّ»(مناهل العرفان في علوم القرآن، المبحث الرابع عشر)

''کسی شرعی حکم کو شرعی دلیل کے ساتھ ختم کر دینا۔''

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ کرتے ہیں۔ پھر کسی دوسرے زمانے میں اپنی حکمت کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ نیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ اس عمل کو ''نسخ'' کہا جاتا ہے اور پہلے حکم کو ''منسوخ'' اور دوسرے کو ''ناسخ'' کہتے ہیں۔

نسخ کا عقلی ونقلی ثبوت: یہودیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نسخ کو تسلیم کرنے سے ''بداء'' لازم آئے گا یعنی یہ خرابی لازم آئے گی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم غلطی سے نافذ کر دیا اور پھر غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا اور رائے تبدیل کر لی۔

یہودیوں کا یہ اعتراض انتہائی سطحی قسم کا ہے' اس لیے کہ نسخ کا معنی ''رائے کی تبدیلی'' نہیں ہے' بلکہ نسخ کا مفہوم ہر زمان ومکان کے مناسب حکم نافذ کرنا ہے۔ ناسخ کا کام منسوخ کو غلط قرار دینا نہیں ہوتا بلکہ حکم کے نفاذ کی مدت کو متعین کرنا ہوتا

ہے اور احکام کی یہ تبدیلی عیب نہیں ہے بلکہ حکمت الٰہی کے عین مطابق ہے کیونکہ حکیم وہ نہیں ہوتا جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ اور ایک ہی دوا تجویز کرتا رہے بلکہ حکیم وہ ہوتا ہے جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نسخہ متعین کرتا جائے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کائنات کا پورا نظام اسی اصول کے تحت چل رہا ہے' مثلاً گرمی' سردی' بہار' خزاں' خشک سالی' فراوانی یہ تمام امور حکمت الٰہی کی وجہ سے تبدیل کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اسے بھی ''بداء'' کہہ دے کہ نعوذ باللہ اللہ نے پہلے گرمی کا فیصلہ کیا' پھر اسے پتہ چلا کہ سردی کا موسم لانا بہتر ہے' تو ایسے شخص کو احمق ہی کہا جائے گا' بعینہ شرعی احکام کے نسخ کا حال ہے کہ ایک حکم کسی خاص زمان و مکان کے لیے تو مناسب تھا لیکن دوسرے زمان و مکان کے مناسب نہ رہا' اس لیے اس میں تبدیلی کر دی گئی اور نسخ صرف اس شریعت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ سابقہ انبیائے کرام کی شریعتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری تھا' مثلاً بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کا بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں ''لیاہ اور راحیل'' آپس میں بہنیں تھیں ① لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دیا گیا۔ ②

سوال: متقدمین اور متاخرین کے نزدیک نسخ کی اصطلاح میں کیا فرق ہے؟ منسوخ آیات کی تعداد اور اقسام بیان کریں۔

---

① بائبل' کتاب پیدائش' ص: 29' آیت: 23 تا 30

② احبار: 18

جواب: نسخ کی اصطلاح میں متقدمین اور متاخرین کا کافی اختلاف ہے۔
متقدمین کی اصطلاح: علمائے متقدمین نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے یعنی ''اِزَالَةُ الشَّیءِ بِالشَّیءِ ''یعنی ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت سے زائل کر دینا' جیسے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کر دینا' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ﴾ (البقرۃ:221/2)

اس آیت میں مشرکہ عورت سے نکاح کی حرمت کا بیان ہے اور ''مشرکات'' میں عموم ہے خواہ وہ عورت بت پرست ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اور دوسری آیت میں اس کی تخصیص آ گئی:

﴿ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ﴾ (المائدۃ:5/5)

یعنی تمہارے لیے اہل کتاب کی باعفت' پاکدامن عورتیں نکاح میں لانا جائز ہے۔

متقدمین اس تخصیص کو بھی ''نسخ'' میں شامل کر دیتے ہیں۔
متاخرین کی اصطلاح: علمائے متاخرین کے نزدیک '' نسخ'' کے مفہوم میں اتنی وسعت نہیں ہے بلکہ وہ سابقہ حکم کے کلی طور پر ختم کر دینے کو نسخ کہتے ہیں محض عام کو خاص کرنا اور مطلق کو مقید کرنا ان کے نزدیک ''نسخ'' نہیں ہے۔
منسوخ آیات کی تعداد: متقدمین کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم بہت وسیع تھا' اس لیے ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے حتی کہ بعض نے پانچ سو آیات کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن متاخرین کی اصطلاح اتنی وسیع نہیں ہے' اس لیے انہوں نے بہت کم آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین کی اصطلاح کے مطابق صرف انیس آیات کو منسوخ قرار دیا

ہے جبکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے صرف پانچ آیات کے منسوخ ہونے کو تسلیم کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○﴾

(البقرة:2/180)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○﴾

(النساء:4/11)

دوسری آیت:

﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ○﴾ (الانفال:8/65)

اس کی ناسخ بعد والی آیت ہے:

﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○﴾ (الانفال:8/66)

تیسری آیت: ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝﴾ (الاحزاب:33/52)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

(الاحزاب:33/50)

نوٹ: اس جگہ منسوخ آیت کا حکم اگرچہ پہلے ہی تھا لیکن تلاوت میں ناسخ کے بعد رکھی گئی ہے۔

چوتھی آیت: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (المجادلة:58/12)

اس کی ناسخ بعد والی آیت ہے:

﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (المجادلة:58/13)

پانچویں آیت: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ

خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (البقرة:2/240)

اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ (البقرة:2/234)

منسوخ آیات کی اقسام: منسوخ آیات کی تین قسمیں ہیں:

1- وہ آیات جن کی قراءت اور حکم دونوں منسوخ ہیں، مثلاً سورۃ الاحزاب کا بعض حصہ۔

2- جن کی قراءت باقی اور حکم منسوخ ہو گیا۔ مثلاً

﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ (الانفال:8/65)

3- جن آیات کی قراءت منسوخ اور حکم باقی ہے، جیسے سورۃ الاحزاب میں یہ آیت تھی:

«اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالاً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ»(الاتقان في علوم القرآن: ٢/ ٢٨ . . . ٣٢)

عہدِ رسالت اور خلفاء کے دور میں حفاظت قرآن اور تدوین قرآن

سوال: عہد رسالت میں قرآن کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اس پر مختصر اور جامع نوٹ لکھیں۔

جواب: قرآن کریم ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا بلکہ تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا اس لیے عہد رسالت میں ممکن ہی نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں محفوظ کر لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حفظ پر دیا جاتا تھا۔ خود نبی ﷺ کا یہ حال تھا کہ شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تا کہ اچھی طرح حفظ ہو جائے اور کوئی لفظ بھول نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○﴾

(القیامة:75/16-19)

"(اے نبی) آپ اس قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس کو (دل میں) جمع کرنا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے، پھر جب ہم اسے پڑھوا چکیں تو پھر اسی طرح پڑھا کریں، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔"

یعنی آپ پریشان نہ ہوں، حفظ کروانا ہماری ذمہ داری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کا سینہ

مبارک قرآن پاک کی حفاظت کا سب سے بڑا خزانہ تھا جس میں مکمل قرآن محفوظ تھا اور کسی ادنیٰ غلطی یا تغیر کا امکان بھی نہ تھا اور پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے لیے ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف قرآن کے معانی کی تعلیم ہی نہ دی تھی بلکہ ان کو الفاظ قرآن بھی اچھی طرح یاد کروائے تھے اور خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ایک دوسرے سے بڑھ کر حفظ قرآن کا شوق تھا اور اسی کی فکر دامن گیر رہتی تھی حتیٰ کہ بعض صحابیات رضی اللہ عنہن نے اپنا حق مہر یہ ٹھہرایا کہ ہمیں چند سورتیں حفظ کرا دی جائیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا آپ اسے انصاریوں کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ اسے قرآن مجید سکھلائیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے قیام میں تلاوت قرآن کثرت سے کرتے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حفاظ کرام کی بہت بڑی جماعت تیار ہوگئی تھی۔

عہد رسالت میں حفاظت قرآن کا بڑا ذریعہ حفظ ہی تھا کیونکہ پڑھا لکھا طبقہ بہت کم تھا، نیز ذرائع کتابت بھی مفقود تھے لیکن پھر بھی مکمل قرآن تحریری شکل میں موجود تھا۔

وحی کی کتابت: رسول اللہ ﷺ نے حفظ کروانے کے ساتھ ساتھ کتابت کا اہتمام بھی فرمایا تھا کیونکہ جو کام کتابت کے ذریعے سے ہوتا ہے، کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوسکتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو سخت گرمی محسوس ہوتی اور پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ ﷺ مجھے بلاتے اور وحی لکھواتے۔ میں اسے پتھر یا کسی لکڑی پر لکھ لیتا اور جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو آپ کو سناتا اگر کوئی غلطی ہوتی تو آپ ﷺ اصلاح فرما دیتے۔ [1]

---

[1] مجمع الزوائد، العلم، باب عرض الكتاب بعد املائه، 152/1، حديث:684

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحی کی کتابت کرتے تھے مثلاً خلفائے راشدین، ابی بن کعب، زبیر بن عوام، معاویہ بن ابوسفیان، مغیرہ بن شعبہ، خالد بن ولید، ثابت بن قیس اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہم۔ تقریباً ۴۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کاتبین وحی میں شمار کیا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے وقت یہ بھی ہدایت فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں، فلاں آیت کے بعد لکھ دو۔ اس طرح مکمل قرآن کریم عہد رسالت میں تحریری صورت میں آچکا تھا اگرچہ وہ الگ الگ چیزوں پر مختلف لوگوں کے پاس تھا۔ بہر حال مکمل قرآن محفوظ ہو چکا تھا۔ [1]

سوال: خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن پر نوٹ لکھیں۔

جواب: جنگ یمامہ میں حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد شہید ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس طرح قرآن پاک کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے قرآن کو ایک جگہ مرتب کروا کے رکھ دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت اس سے استفادہ کیا جا سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کیسے کرسکتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ کام سراسر بہتر ہے اور اس پر اصرار بھی کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا اور وہ بھی اس کام پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو یہی واقعہ سنایا تو انہوں نے بھی جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا تھا اس کو ہم کیوں کریں؟ لیکن بار بار کے تکرار و اصرار سے اللہ نے ان کا سینہ بھی کھول دیا اور

---

① مسند احمد، 1/57، 69 حدیث: 399، 499

وہ اس کام کے لیے راضی ہوگئے اور جمع قرآن کی ذمہ داری بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ڈال دی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ حکم دے دیا جاتا کہ اس پہاڑ کو اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کردو تو یہ کام جمع قرآن کی نسبت آسان تھا۔ بہرحال حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مختلف اشیاء سے اور مختلف لوگوں سے تحقیق و تفتیش کے بعد قرآن کو جمع کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً چھ کو اس کام پر مقرر فرمایا کہ وہ بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ تحقیق کریں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حفاظ قرآن تھے لیکن اس کے باوجود جمع قرآن میں اتنی احتیاط کی گئی کہ جو نسخے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائے تھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کو منگواتے اور دوسرے نسخوں سے موازنہ کرتے اور حفاظ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی پیش کرتے۔ بہرحال حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس زبردست احتیاط و محنت کے بعد قرآنی آیات کو جمع کر کے کاغذ کے صحیفوں میں مرتب شکل میں تحریر فرمادیا لیکن ہر سورت علیحدہ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی تھی لہٰذا صحیفوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اصطلاح میں اس نسخے کو ''ام الصحائف'' کہا جاتا ہے۔ اس صحیفے کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس نسخے میں سورتوں کی آیات کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے موافق تھی لیکن ہر سورت الگ الگ صحیفے میں لکھی گئی تھی۔

2- اس نسخے کو سات قراءتوں کے مطابق جمع کیا گیا۔

3- اس میں وہ تمام آیات جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ یہ نسخہ زندگی بھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی صاجزادی

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد اس نسخے کو مروان بن حکم رضی اللہ عنہما نے ختم کر دیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے مصاحف پھیل چکے تھے اور اس بات پر امت کا اجماع ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ان مصاحف کی تلاوت لازم ہے' چنانچہ مروان بن حکم نے سوچا کہ اب کوئی ایسا نسخہ باقی نہیں رکھنا چاہیے جو اس رسم الخط کے خلاف ہو۔ [1]

سوال: خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں تدوین قرآن پر نوٹ لکھیں۔

جواب: قرآن مجید کی سات انداز میں قراءت کو اس لیے جائز رکھا گیا تھا کہ عرب میں مختلف قبائل تھے۔ ایک قبیلے کے ہاں کسی معنی کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا جاتا اور دوسرے قبیلے والے اسی معنی کے لیے کوئی اور لفظ استعمال کیا کرتے تھے' مثلاً: ایک قبیلے والے ''كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ'' پڑھتے تو دوسرے قبیلے کے لوگ ''كَالصُّوفِ الْمَنْفُوشِ'' پڑھتے تھے۔ اسی طرح الفاظ کی ادائیگی میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے علاقے فتح ہوئے اور کئی عجمی لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے اور ہر علاقے والے اپنے علاقے کے علماء سے قرآن اور مسائل سیکھتے۔ پھر جب ان کا آپس میں میل جول شروع ہو گیا تو اختلاف قرآن کی وجہ سے اختلافات پیدا ہونے لگے اور ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جنگ میں مشغول تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قراءتوں کے اختلاف کی بنا پر لوگوں میں اختلاف واقع ہو رہا ہے۔

جب وہ واپس مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہ امت یہود ونصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کر کے مختلف

---

[1] فتح الباری: 9/12' 13

فرقوں میں تقسیم ہو جائے' آپ اس کا حل تلاش کیجیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال دریافت کی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر لوگوں کے درمیان قراءتوں کے اختلاف کی بنا پر جھگڑا ہوتے دیکھا ہے' کیونکہ شام کے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پر اور ایک دوسرے کی قراءت سے ناواقفیت کی بنا پر آپس میں اختلاف کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے بھی کچھ ایسی ہی شکایات مل چکی تھیں اور مسلمانوں میں افتراق کا خدشہ ہو چکا تھا اور یہ بھی خطرہ تھا کہ اس اختلاف کو دیکھ کر نومسلم لوگ ثابت قدم نہ رہ سکیں گے' چنانچہ امیر المومنین نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا اور اپنی رائے بھی پیش کی کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر اکٹھا کر دینا چاہیے تا کہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس مجلس شوریٰ کے فیصلے کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عوام کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

> ''تم (میرے قریب) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی قراءتوں کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کا شکار ہو جاتے ہو تو دور والے اس سے بڑھ کر اختلاف میں مبتلا ہوں گے' اس لیے ہم نے قرآن مجید کو صرف ایک قراءت میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا ہے لہٰذا تمام لوگ اس کی اقتدا کریں۔''

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار بڑے صحابہ کرام سیدنا زید بن ثابت' سیدنا عبداللہ بن زبیر' سیدنا سعید بن عاص اور سیدنا عبدالرحمان بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو اس

کام کے لیے منتخب کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور باقی تینوں قریشی تھے۔ ان کو امیر المومنین نے یہ حکم دیا کہ صحیفہء ابوبکر لے کر قریش کی قراءت میں قرآن کو جمع کریں۔ جس جگہ زید اور باقی تینوں کا اختلاف ہو جائے تو اس جگہ لغت قریش والا لفظ لکھ دیں کیونکہ قرآن اصل میں لغت قریش میں نازل ہوا ہے' چنانچہ ان چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انتھک محنت و کاوش کے بعد اس عظیم کام کو سرانجام دیا اور مکمل تحقیق کر کے قرآن مجید کو ایک مصحف کی صورت میں ترتیب دے دیا۔

صحیفہء عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیات: صحیفہء عثمان رضی اللہ عنہ کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

1- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کردہ صحیفے میں سورتیں الگ الگ تھیں تو صحیفہ عثمانی میں تمام کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔

2- قرآن پاک کی آیات ایسے انداز میں لکھیں کہ رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں اس لیے ان پر نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے۔

3- صحیفہء ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صرف ایک نسخہ تھا جو سرکاری طور پر محفوظ تھا اور صحیفہء عثمانی کے پانچ نسخے تھے بلکہ ابوحاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سات نسخے لکھے گئے جنہیں مکہ' مدینہ' یمن' بحرین' بصرہ' کوفہ' اور شام بھیجا گیا۔

4- صحیفہء عثمانی کو تحریر کرتے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفے کو بھی سامنے رکھا گیا بلکہ مزید اصل مصاحف دوبارہ منگوائے گئے اور تحقیق کی گئی اور اس مرتبہ سورۂ احزاب کی آیت:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

(الاحزاب: 23/33)

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کا علم بھی تھا اور حفظ بھی تھی، اپنے طور پر لکھی ہوئی بھی تھی۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

سوال: اسلامی تاریخ میں تلاوت قرآن مجید میں آسانی پیدا کرنے کے لیے کون کون سے اقدامات کیے گئے؟

جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ صحیفے میں خط عثمانی کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن وہ حرکات و نقاط سے خالی تھا۔ جب عجمی لوگوں نے اسلام قبول کیا تو ان کو بوقت تلاوت حروف کی ادائیگی میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس کے ازالے کے لیے نقاط اور حرکات وسکنات کا اہتمام کیا گیا جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

1-نقاط: پہلے عربوں میں نقطوں کا رواج نہ تھا۔ پڑھنے والے اتنے عادی اور ماہر ہو چکے تھے کہ بغیر نقطوں کے بھی بڑی آسانی سے پڑھ لیتے اور کوئی دشواری محسوس نہ کرتے اور سیاق کلام کی مدد سے مشتبہ الفاظ میں بھی اشتباہ کا خطرہ زائل ہو جاتا کیونکہ ان کا دارومدار صرف کتابت پر نہ تھا بلکہ حافظے پر بھی تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفے لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھجوائے ان کے ساتھ قراء حضرات بھی بھیجے تا کہ وہ قراءت سکھلائیں۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے نقطے کس نے لگوائے۔ بعض کے نزدیک ابوالاسود الدؤلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کام کو سرانجام دیا۔[1] اور بعض کے نزدیک کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے ان سے یہ کام کروایا۔[2] اور ایک روایت کے مطابق حجاج بن یوسف نے حسن بصری، یحییٰ بن

---

① صبح الاعشی: 155/3

② البرهان، ص:250، 251

یعمر اور نصر بن عاصم لیثی کے ذریعے سے یہ کام کروایا۔ ①

2- حرکات: نقطوں کی طرح ابتدائی دور میں حروف پر حرکات وسکنات بھی نہیں ہوتی تھیں جس کی وجہ سے عجمی لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات خطا بھی ہو جاتی تھی۔ اس غلطی سے بچنے کے لیے اعراب لگانے کی طرف توجہ دی گئی۔ سب سے پہلے اعراب لگانے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کام ابوالاسود الدؤلی نے کیا اور بعض کے نزدیک حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی رحمۃ اللہ علیہم سے یہ کام کروایا۔ اس بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔ ابتدا میں حرکات وسکنات موجودہ صورت میں نہ تھیں بلکہ ان کی صورتیں مندرجہ ذیل تھیں:

* فتحہ یا نصب (زبر) کے لیے حرف کے اوپر نقطہ لگایا جاتا جو زبر کی علامت ہوتا تھا۔
* جر یا کسرہ (زیر) کے لیے حرف کے نیچے نقطہ لگایا جاتا تھا۔
* ضمہ یا رفع (پیش) کے لیے حرف کے بائیں جانب نقطہ لگایا جاتا تھا۔
* تنوین کے لیے دو نقطے لگائے جاتے تھے۔

اس کے بعد خلیل بن احمد نحوی نے ہمزہ اور شد کی شکلیں وضع کیں اور پھر حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر، نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری سے تمام قرآن کریم پر نقطے اور حرکات وسکنات لگانے کی فرمائش کی۔ تو اس وقت موجودہ ''ـَـ ـُـ ـٍـ ـًـ'' صورت اختیار کی گئی تا کہ حروف کے ذاتی نقطوں میں التباس اور اختلاط سے بچا جائے۔

4- احزاب یا منازل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کا عام دستور تھا کہ ایک ہفتہ میں مکمل قرآن پاک کی تلاوت کر لیتے، اس لیے انہوں نے یومیہ تلاوت کے

---

① تفسیر القرطبی: 63/1

لیے قرآن پاک کی سات منزلیں بنائی ہوئی تھیں۔ پھر وہی سات منزلیں مشہور ہو گئیں۔

5- اجزا یا پارے: موجودہ تدوین کی صورت میں قرآن مجید کے تیس اجزا یعنی پارے ہیں لیکن اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکی کہ تیس حصوں میں کس نے اور کس مقصد کے لیے تقسیم کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیس اجزا میں لکھوایا تھا لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔ علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے تیس اجزا بڑی دیر سے چلے آ رہے ہیں، ہوسکتا ہے صحابہ یا تابعین ہی نے ایسا کیا ہو۔

6- رکوعات: قرون اولی کے نسخوں میں اخماس (پانچ پانچ) اور اعشار (دس دس) کی علامات پائی جاتی تھیں ہر پانچ آیتوں کے بعد ''خمس یا خ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد ''عشر یا ع'' لکھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس علامت کو چھوڑ دیا گیا اور اس کی جگہ رکوع کی علامت (ع) مقرر کر دی گئی جو آج تک چلی آ رہی ہے۔ اس کے مقرر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جس جگہ کلام کے کسی ایک حصے کا مفہوم مکمل ہو، وہاں یہ علامت لگا دی جائے تاکہ اتنی مقدار نماز میں تلاوت کر لینے کے بعد رکوع کیا جائے۔ (اس سے زیادہ فوائد کا علم نہیں ہوسکا) قرآن کریم میں کل پانچ سو ستاون (557) رکوع ہیں ان کے موجد اور وقت ایجاد کا بھی علم نہیں ہوسکا۔

7- رموزِ اوقاف: ہر زبان میں کلام کرتے وقت وقف، عدم وقف کا خیال رکھا جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بعض اوقات کلام کا مفہوم بالکل بگڑ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی بعض ایسے مقامات ہیں کہ اگر ان پر وقف نہ کیا جائے تو مفہوم صحیح نہیں رہتا۔ اس طرح کی خامیوں سے بچنے کے لیے آیات کے درمیان یا آخر میں علامات

لگادی گئی ہیں۔ جنھیں ''رموز اوقاف'' کہا جاتا ہے۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر قرآن پاک کے آخر میں یہ رموز تفصیل سے لکھے جاتے ہیں تا کہ عجمی لوگ بھی صحیح طرح تلاوت کر سکیں۔

8- طباعت قرآن: جب تک پریس کا آغاز نہیں ہوا تھا' اس وقت تک تو قرآن کریم ہاتھ سے لکھا جاتا رہا' یعنی قلم کے ذریعے سے تحریر کیا جاتا رہا۔ ہر دور میں قرآن کریم کے مصاحف لکھنے کے لیے ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جن کا مشغلہ ہی قرآن پاک کو لکھنا ہوتا تھا اور مختلف انداز میں قرآن پاک کی کتابت کی جاتی تھی۔

جب پریس کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے ہیمبرگ (جرمنی) کے مقام پر ۱۱۱۳ھ میں قرآن پاک کو طبع کیا گیا جس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد مستشرقین نے قرآن پاک کے کئی نسخے طبع کروائے لیکن اسلامی ممالک میں ان کو زیادہ شہرت حاصل نہ ہوسکی پھر مولای عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرز برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآن پاک طبع کروایا۔ اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ طبع کیا گیا۔ ایران کے شہر تہران میں ۱۸۲۸ء میں بھی ایک نسخہ طبع کیا گیا پھر دنیا بھر میں آہستہ آہستہ مطبوعہ نسخے پھیلتے چلے گئے۔

اُصُولِ تفسیر
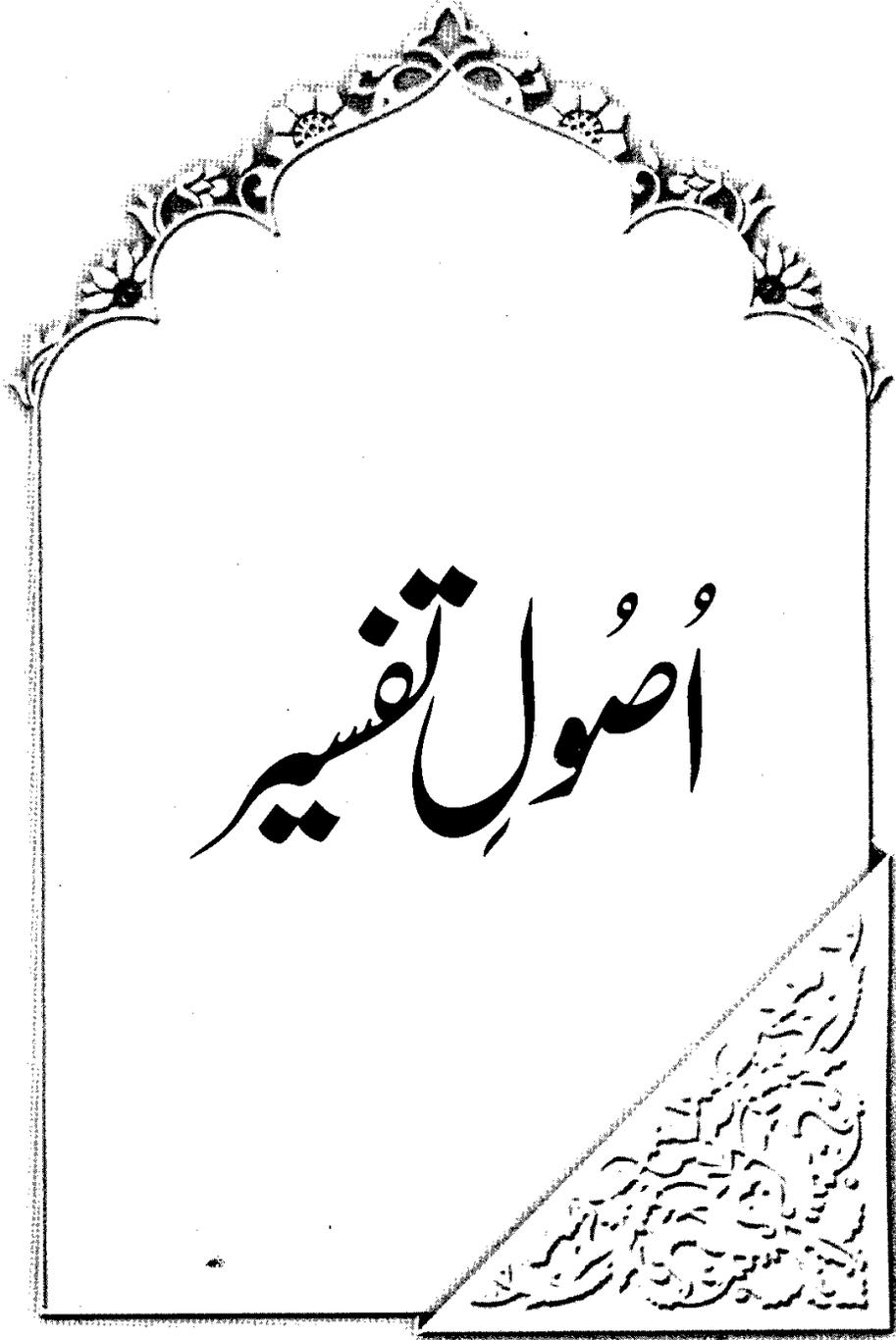
تفسیر وتاویل کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، موضوع، غرض وغایت اور ان دونوں کے درمیان فرق

سوال: تفسیر اور تاویل کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کر کے دونوں میں فرق واضح کریں۔

جواب: تفسیر یہ لفظ ''فَسَّرَ یُفَسِّرُ تَفْسِیْرًا'' باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی واضح کرنے اور کھول دینے کے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝﴾

(الفرقان: 25/33)

''یہ (کافر) آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ تفصیل آپ کو بتا دیں گے۔''

اس آیت میں لفظ ''تَفْسِیراً'' بمعنی ''تَفْصِیلاً'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی معنی لیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: تفسیر کی مفسرین نے مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہے:

«هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنْ أَحْوَالِ الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتِهِ عَلٰى مُرَادِ اللهِ تَعَالٰى بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ» (التفسیر والمفسرون: ۱/۱۵ وقواعد التفسیر: ۱/ ۲۹)

''تفسیر ایسا علم ہے جس میں انسانی طاقت کے مطابق قرآن مجید کے احوال کے بارے میں اس طرح بحث کی جائے کہ اس سے اللہ کی مراد حاصل

ہو جائے۔"

تاویل: یہ لفظ "اَوَّلَ یُؤَوِّلُ تَأْوِیْلًا" باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: تاویل کی تعریف میں متقدمین ومتاخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کی تعریف: متقدمین سے دو تعریفیں منقول ہیں: 1۔ "تاویل اور تفسیر دونوں مترادف ہیں" یعنی جو تعریف تفسیر کی ہے وہی تاویل کی ہے۔ ان مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران:3/7)

"حالانکہ ان (محکمات اور متشابہات) کا مفہوم اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔"

2۔ "کسی کلام سے جو مفہوم اخذ کیا گیا ہو اُسے تاویل کہتے ہیں۔"

متاخرین کی تعریف:

«هُوَ صَرْفُ اللَّفْظِ عَنِ الْمَعْنَى الرَّاجِحِ إِلَى الْمَعْنَى الْمَرْجُوحِ لِدَلِيلٍ يَقْتَرِنُ بِهِ» (التفسير والمفسرون: ١/ ١٨)

"کسی دلیل کے پیش نظر لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لے لینا تاویل کہلاتا ہے۔"

نوٹ: اصول فقہ اور اختلافی مسائل میں تاویل کا معنی متاخرین والا مراد لیا جاتا ہے۔

اس میں تاویل کرنے والا دو چیزوں کا پابند ہوتا ہے:

1- جو معنی وہ مراد لے رہا ہو لفظ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو۔

2- وہ دلیل یا قرینہ بیان کرے جس کی وجہ سے اس نے راجح معنی چھوڑ کر مرجوح

معنی مراد لیا ہے' ورنہ وہ تاویل فاسد ہوگی بلکہ تحریف کے زمرہ میں آئے گی۔[1]

تفسیر اور تاویل میں فرق: متقدمین تو دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن متاخرین نے ان دونوں میں کئی انداز سے فرق بیان کیا ہے' مثلاً:

○ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (الف) تفسیر عام ہے اور تاویل خاص ہے یعنی تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ کے لیے اور تاویل کا لفظ معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ب) تفسیر کا عام طور پر استعمال ''مفردات'' میں ہوتا ہے اور تاویل کا اطلاق ''جملوں'' پر ہوتا ہے۔

○ امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس میں یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم ہو اسے تفسیر کہتے ہیں اور جس میں مختلف احتمالات رکھنے والے معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے لیکن یقینی فیصلہ نہ کیا جائے تو اسے تاویل کہتے ہیں۔

○ امام ابوطالب ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس معنی کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہو خواہ وہ حقیقی ہو یا مجازی' اسے بیان کرنا ''تفسیر'' کہلاتا ہے اور کسی لفظ کے باطنی اور مخفی معنی کے واضح کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

○ امام بغوی اور الکواشی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: آیت سے ایسا معنی مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو اور وہ آیت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو' نیز قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو' اسے ''تاویل'' کہتے ہیں۔ اور کسی آیت کے سبب نزول اور واقعہ کے متعلقہ ذکر و بیان کو ''تفسیر'' کہتے ہیں۔

○ بعض کے نزدیک تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

○ بعض کے نزدیک جو مفہوم ترتیب عبارت سے حاصل ہو وہ تفسیر کہلائے گا اور جو

---

① التفسیر المفسرون: 18/1

مفہوم ترتیب عبارت سے اشارتاً حاصل ہو وہ تاویل کہلائے گا۔ ①

نوٹ: مذکورہ اقوال میں سے آخری قول زیادہ راجح ہے کیونکہ تفسیر کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

''آیت کی اس طرح وضاحت کرنا کہ اس سے مراد ربانی کا اظہار قطعیّت اور وثوق سے ہو جائے۔''

اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہو گا جب خود رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایتاً منقول ہو جب کہ تاویل میں یہ بات ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو ایک لفظ میں جس قدر بھی معانی کی گنجائش ہو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اور ترجیح کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد میں لغت عرب اور سیاق وسباق کی طرف احتیاج ہوتی ہے جس کا تعلق درایت سے ہے۔

سوال: تفسیر کا موضوع اور غرض وغایت بیان کریں؟

جواب: تفسیر کا موضوع ''کلام اللہ'' ہے کیونکہ اس سے مقصود قرآن کو سمجھ کر اس کے معانی کی حقیقت کو جاننا ہوتا ہے، اس لیے کلام اللہ کے الفاظ کی وضاحت ہی اس علم کا موضوع ہے۔

غرض وغایت: اس علم کی غرض وغایت ''کلام اللہ'' کے معانی ومطالب کو معلوم کرنا ہے۔

① التفسیر والمفسرون: 1/19، 20
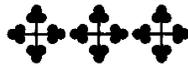
ترجمے کا معنی ومفہوم اور اس کی اقسام وشرائط

سوال: ترجمے کا معنی ومفہوم بیان کر کے اس کی اقسام وشرائط پر روشنی ڈالیں۔

جواب: ترجمے کا معنی ومفہوم: لغت عرب میں لفظ ''ترجمہ'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنا۔ ② کلام کا مطلوب و مقصود دوسری زبان میں وضاحت سے بیان کرنا۔ مذکورہ بالا وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ کی دو قسمیں ہیں: **(الف)** لفظی ترجمہ **(ب)** تفسیری ترجمہ۔

لفظی ترجمہ: کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نظم وترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے منتقل کرنا اور اصل کلام کے معنی ومفہوم کو قائم رکھنا تاکہ کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔

تفسیری ترجمہ یا بامحاورہ ترجمہ: کلام کا مطلب ایک زبان سے دوسری زبان میں نظم وترتیب کے بغیر اصل معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے وضاحت سے بیان کرنا۔ [1]

شرائط ترجمہ: مفسر یا مترجم کے لیے تین شرطیں ہیں:

1- مترجم قرآن کے مطالب بیان کرنے میں ایسی تفسیر پر اعتماد کرے جو احادیث، عربی لغت اور شریعت اسلامیہ کے معتبر اصول وضوابط سے ماخوذ ہو۔

2- مترجم لغت قرآن اور جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہو دونوں کا بخوبی ماہر ہو اور ان کے اسرار ورموز، طریقہ استعمال، وضع ودلالت اور گرائمر سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔

3- مترجم گمراہ کن عقائد وافکار کا حامل نہ ہو کیونکہ فاسد عقیدہ اس کے فکر ونظر پر چھایا ہوتا ہے۔ [2]

---

① التفسیر والمفسرون: 1/23، 24

② التفسیر والمفسرون: 1/29، 30

تفسیر قرآن کے ماخذ

سوال: تفسیر قرآن کے ماخذ وضاحت سے بیان کریں۔

جواب: تفسیر قرآن مجید کے ماخذ درج ذیل ہیں:

- قرآن
- احادیث
- اقوال صحابہ
- اقوال تابعین
- اسرائیلیات
- لغت عرب
- عقل سلیم۔

قرآن کریم: تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہے کیونکہ قرآن کریم میں ایک جگہ کسی چیز کا ذکر اختصار سے کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ تفصیل سے' ایک جگہ مطلق اور دوسری جگہ مقید اور یہی حال عام و خاص اور ایجاز واطناب کا ہے۔ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ ایک موضوع پر وارد شدہ تمام تکرار والی آیات کو جمع کر کے پھر تفسیر کرے تاکہ مطلق و مقید' عام و خاص اور مبہم و مُبیّن کو سمجھنے میں آسانی ہو' مثلاً:

- حضرت آدم و موسیٰ اور سلیمان علیہم السلام کے قصے اور اسی طرح ابلیس' فرعون' ہامان اور قارون لعنة الله عليهم کے قصے بعض جگہ انتہائی مختصر ہیں اور بعض جگہ تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔
- سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ﴾ (البقرة:2/37)

''پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی۔''

ان کلمات کی تفسیر سورۃ الاعراف میں بیان کی گئی ہے:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف:7/23)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھائیں گے۔''

✧ سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (المائدۃ:5/1)

''تمہارے لیے مویشی قسم کے چرنے والے جانور حلال کیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمہیں بتلائے جاچکے ہیں۔''

اور ان مویشیوں کی تفسیر چند آیات کے بعد سورۂ مائدہ ہی میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

(المائدۃ:5/ 3)

''تم پر (یہ چیزیں) حرام کی گئی ہیں: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز

جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کی جائے نیز وہ جانور جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا سینگ کی ضرب سے مر گیا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو سوائے ان کے جنہیں ذبح کر لو' نیز آستانے پہ ذبح کیا گیا جانور بھی حرام ہے اور فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے مت ڈرو' صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے بحیثیت دین' اسلام کو پسند کیا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص بھوک کے مارے مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ یقیناً بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

تفسیر القرآن بالقرآن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

- اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن' للشیخ محمد الأمین الشنقیطی.
- تفسیر القرآن بالقرآن' للشیخ عبدالکریم.
- تفسیر القرآن بکلام الرحمان' للشیخ ثناء اللّٰہ امر تسری .

احادیث نبویہ: تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ ذمہ داری بھی بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی وضاحت بھی کریں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾ (النحل: 16/44)

''اور آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں

کو وضاحت سے بتادیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ ، إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ، أَلاَ يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى أَرِيْكَتِهِ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُم فِيهِ مِنْ حَلاَلٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ»(سنن أبي داود ، السنة ، باب في لزوم السنة ، ح: ٤٦٠٤)

”خبردار! مجھے کتاب (قرآن) کے ساتھ اس جیسی اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔ عنقریب ایک پیٹ بھرا (آسودہ حال) آدمی اپنے پلنگ پر بیٹھا کہے گا اس قرآن کو اختیار کرو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو۔“

چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر فرمائی ہے:

(الف) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ”**الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ**“ اور ”**اَلضَّآلِّيْن**“ کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمُ الْيَهُودُ ، وَالضَّالِّينَ النَصَارٰى» (مسند أحمد: ٣٧٨/٤ ، ٣٧٩ ، ح: ١٩٦٠٠)

”**المغضوب علیهم**“ سے مراد یہود ہیں اور ”**الضالین**“ سے مراد نصاریٰ ہیں۔“

(ب) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ”**صَلاةُ الْوُسْطٰى**“ کی تفسیر میں فرمایا:

«صَلاَةُ الْوُسْطٰى صَلاَةُ الْعَصْرِ»(جامع الترمذي ، تفسير

القرآن، ح: ۲۹۸۵)

''درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔''

(ج) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال:8/60)

''اور جہاں تک ممکن ہو کافروں کے مقابلے کے لیے قوت تیار رکھو۔'' پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه، وذم من علمه ثم نسيه، ح:۱۹۱۷)

''متنبہ ہو جاؤ! بلاشبہ قوت و طاقت تیر اندازی میں ہے۔''

(د) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی۔ پھر آپ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا اور صحابہ سے کہا یا صحابہ نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرائے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر......الآية﴾

جب آپ تلاوت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جانتے ہو کوثر کیا ہے؟'' صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس پر بے حد خیر اور بھلائیاں ہوں گی۔ اس پر ایک حوض ہوگا جس پر قیامت کے روز میری امت کے لوگ آئیں گے۔ اس کے آب خورے (پیالے) ستاروں کی تعداد میں

ہوں گے۔"①

اقوال صحابہ: تفسیر کا تیسرا ماخذ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر سیکھنے کے لیے اپنی زندگیاں صرف کر دیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تفسیر میں لیتے ہوئے مندرجہ ذیل امور مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال میں صحیح وضعیف ہر طرح کی روایات ملتی ہیں اس لیے ان کے اقوال کی بنیاد پر تفسیر کرنے سے پہلے اصول حدیث کے مطابق ان کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔
* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اس وقت حجت ہوں گے جب کتاب وسنت سے اس آیت کی کوئی صریح تفسیر مستند طریقے سے ثابت نہ ہو اگر صحیح حدیث ثابت ہو تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تائید کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے اور اگر صحیح حدیث کے خلاف ہوں گے تو ان کو قبول نہ کیا جائے گا۔
* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صرف وہی اقوال لیے جائیں گے جو احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کی ہوئی تفسیر میں آپس میں اختلاف بھی نہ ہو۔
* جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیروں میں اختلاف ہو تو پہلے ان میں تطبیق دی جائے گی۔ اگر تطبیق ناممکن ہو تو مفسر کو چاہیے کہ دلائل کے اعتبار سے جس قول کو قوی سمجھے اسے اختیار کر لے۔

اقوال التابعین رحمہم اللہ: تابعین کے اقوال کو تفسیر میں حجت ماننے کے بارے میں علماء

---

① صحیح مسلم، الصلاۃ، باب حجة من قال: البسملة آية من اول...... الخ، حدیث:400 و سنن ابی داود، السنة، باب فی الحوض، حدیث:4747

کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ بہتر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''تابعی اگر کوئی تفسیر صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہ کی تفسیر کا ہے۔ اگر وہ خود اپنا قول بیان کرے تو دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں۔ اگر خلاف ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہ ہوگا اور اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم' احادیث نبویہ' آثار صحابہ' لغت عرب اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے فیصلہ کیا جائے گا، البتہ اگر تابعین کا اختلاف نہ ہو تو پھر ان کی تفسیر حجت بن سکتی ہے۔''[1]

اسرائیلیات: اسرائیلیات سے مراد یہود و نصاریٰ کے وہ قصص اور واقعات ہیں جو حقیقی طور پر یا ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے والے سابقہ یہود و نصاریٰ نے بیان کیے اور وہ اقوال و قصص اسلامی معاشرے میں رواج پا گئے۔ ان کی تین قسمیں ہیں:

✧ وہ روایات جن کی صحت کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہو' وہ روایات صحیح ہوں گی اور انہیں اخذ کیا جائے گا' جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً ، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلاَ حَرَجَ ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري ، أحاديث الأنبياء ، باب ما ذكر عن بني إسرائيل ، ح : ٣٤٦١)

''میری باتیں لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے جو سنو اسے بھی بیان کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔''

---

[1] مقدمه تفسیر ابن کثیر: 21/1

✧ وہ اسرائیلیات جو کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کے خلاف ہوں وہ صحیح ہوں گی نہ حجت بنیں گی' مثلاً حضرت داود علیہ السلام کا ''اوریا'' کی بیوی پر عاشق ہوجانا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انگوٹھی کے ذریعے سے حکومت کرنا وغیرہ۔[1]

✧ مسکوت عنہ یعنی وہ اسرائیلی روایات جو پہلی دونوں قسموں میں سے نہ ہوں۔ ان کی نہ تصدیق کی جائے گی نہ تکذیب بلکہ توقف کیا جائے گا' جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوهُمْ» (صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا﴾، ح: ٤٤٨٥)

''تم اہل کتاب کو سچا سمجھو نہ جھوٹا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَقُولُوٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت:29/46)

''کہو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔''

اکثر یہ روایات ایسی چیزوں کے بارے میں ہیں جن میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا' اس لیے ان کے بارے میں مفسرین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے' مثلاً اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کا رنگ' گائے کے عضو کی تعیین اور آدم علیہ السلام کے درخت کا نام وغیرہ۔[2]

---

① بائبل' کتاب سلاطین

② التفسیر والمفسرون: 1/179'180

لغت عرب: مصادر تفسیر میں بعض علماء نے لغت عرب کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ عربی زبان نہایت وسیع ہے اور اس کے ایک ایک لفظ اور جملے کے متعدد معانی ہیں' اس لیے بعض علماء نے اسے بھی مصدر تفسیر بنایا ہے لیکن بعض علماء نے مطلق طور پر لغت کو مستقل ماخذ ماننے سے انکار کیا ہے کیونکہ لغت کی بنیاد پر ان میں سے کسی ایک مفہوم کو متعین کرنا غلطی کا سبب بن سکتا ہے' بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: ''لغت کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر کرنا مکروہ ہے'' اور بعض علماء نے کہا ہے:

''جس جگہ قرآن وسنت یا آثار صحابہ میں کسی لفظ کی تفسیر نہ ہو وہاں وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے عمومی محاورات میں عام طور پر سمجھی جاتی ہو۔ ایسے موقع پر اشعار عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسا قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھا ہوا ہو لیکن عام بول چال میں نہ ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ﴿اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (الأعراف: 160/7)

ہر ایک کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو لیکن سرسید احمد خان نے عام محاورے کو ترک کرتے ہوئے اور لغت کا سہارا لیتے ہوئے یہ معنی بیان کیا ہے: ''اے موسیٰ اس لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر چلو۔''

عقل سلیم: عقل سلیم کی ضرورت یوں تو دنیا کے ہر کام کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ مذکورہ مصادر تفسیر سے بھی تبھی استفادہ ہو سکتا ہے جب عقل سلیم موجود ہو لیکن اس کو مستقل ماخذ کے طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و معارف ایک بحر بے کراں ہیں۔ مذکورہ ماخذوں کے ذریعے سے اس کے مضامین کو بقدر ضرورت تو سمجھا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک اس کے اسرار' حکمتوں اور حقائق و معارف کا تعلق ہے ان کے بارے میں کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی انتہا ہو گئی

ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے حقائق و اسرار پر غور و فکر کرنے کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ جس کو بھی اللہ نے علم و عقل اور خشیت و انابت عنایت کی ہے، وہ تدبر کر کے نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس طرح عقل و فہم سے اخذ کیے ہوئے وہی حقائق و اسرار معتبر ہوں گے جو دوسرے شرعی اصولوں اور مذکورہ ماخذوں سے متصادم نہ ہوں۔ اگر کوئی مفسر اصول شرعیہ کو چھوڑ کر یا توڑ کر کوئی نکتہ بیان کرے تو اس کی دین میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اقسام تفسیر

سوال: اقسام تفسیر مختصراً لکھیں۔

جواب: تفسیر کی درج ذیل پانچ اقسام ہیں: (۱) التفسیر بالمأثور (۲) التفسیر بالرأی (۳) التفسیر الصوفیة (٤) التفسیر العلمی (٥) التفسیر الفقهی.

(1) التفسیر بالماثور: اس سے مراد وہ تفسیر ہے جو قرآن، احادیث نبویہ یا اقوال صحابہ و تابعین سے منقول ہو۔ ان ماخذوں کے ساتھ تفسیر کرنا "تفسیر بالماثور" کہلاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی تفسیر کو تفسیر بالماثور نہیں کہہ سکتے۔ احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے منقول تفسیر کے بارے میں سندی حیثیت کو جاننا اور تحقیق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔

تفسیر بالمأثور کی مشہور تفاسیر:

- **جامع البیان فی تفسیر القرآن:** (ابو جعفر محمد بن جریر طبری، وفات: 310 هجری)
- **بحر العلوم:** (ابو لیث نصر بن محمدسمر قندی، وفات: 357 هجری)
- **الکشف والبیان عن تفسیر القرآن:** (ابو اسحق احمد بن ابراهیم نیشاپوری، وفات: 427 هجری)
- **معالم التنزیل:** (محی السنة ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی، وفات: 510 هجری)
- **تفسیر القرآن العظیم:** (حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمرو

بن کثیر، وفات:774ھجری) المعروف تفسیر ابن کثیر.

- **الدرالمنثورفی تفسیر المأثور:** (حافظ جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد السیوطی، وفات:911 ھجری)

(2)التفسیر بالرأی: تفسیر بالرأی کی مندرجہ ذیل دوقسمیں ہیں:

1- تفسیر بالرأی جائز (محمود): اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو مفسر اپنے اجتہاد سے کرے اور اس کی بنیاد کلام عرب، وجوہ دلالت اور جاہلی اشعار پر ہو، مفسر اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ اور اقسام قراءت سے بھی واقف ہو۔

مشہور تفاسیر:

- **مفاتیح الغیب، المعروف التفسیر رازی:** (فخر الدین ابو عبدالله محمد بن عمر بن حسین الرازی، وفات: 606 ھجری)
- **انوار التنزیل واسرار التأویل، المعروف تفسیر البیضاوی:** (قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبدالله بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی، وفات: 691 ھجری)
- **البحر المحیط:** (ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الأندلسی، وفات: 745 ھجری)
- **غرائب القرآن و رغائب الفرقان:** (نظام الدین بن حسن بن محمد بن حسین الخراسانی نیشا پوری)

2- تفسیر بالرأی غیر جائز (مذموم): اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں تفسیر بالرأی جائز کی شروط مدنظر نہ رکھی گئی ہوں بلکہ اس کی بنیاد مفسر کی خواہشات اور بدعتی نظریات پر ہو، جیسا کہ بدعتی فرقوں کی تفسیریں ہیں۔

مشہور کتب:

- **الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوہ التأویل المعروف تفسیر الکشاف:** (ابو القاسم محمود بن عمر بن عمر الخوارزمی الزمخشری، وفات:538 ھجری)
- **تفسیر حسن عسکری:** (ابو محمد حسن بن علی الھادی بن محمد بن الجواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم، وفات: 260 ھجری)
- **ھمیان الزاد الیٰ دارالمعاد:** (محمد بن یوسف بن عیسیٰ بن صالح، وفات: 1332 ھجری)
- **مجمع البیان لعلوم القرآن:** (ابو علی الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی المشھدی)
- **تفسیر غریب القرآن:** (امام زید بن علی، وفات:290ھجری)

3-التفسیر الصوفیه: اس کی دو قسمیں ہیں:

❋ **تفسیر الصوفی النظری:** یہ ایسی تفسیر ہوتی ہے جس کی بنیاد صرف نظری مباحث اور فلسفی تعلیمات پر ہوتی ہے جن کا حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً **الفتوحات المکیة (محی الدین بن عربی)**

❋ **تفسیر الصوفی الفیضی:** اس سے مراد آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر ہے جو ظاہر کے خلاف ہو اور جس کی بنیاد ایسے مخفی اشارات پر ہو جو اصحاب تصوف وسلوک ہی کو معلوم ہو سکتے ہوں، مثلاً: تفسیر القرآن العظیم (ابو محمد سھل بن عبدالله بن یونس بن عیسیٰ بن عبدالله الشیرازی التستری وفات 283ھجری) **اور** عرائس البیان فی حقائق القرآن (ابو محمد روز بھان بن ابی النصر الشیرازی

الصوفی' وفات: 666 هجری)

4- التفسیر العلمی: اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں قرآنی آیات سے فلسفیانہ آرا اور جدید علوم (سائنس' عمرانیات وغیرہ) نکالنے کی کوشش کی گئی ہو' مثلاً امام غزالی کی **جواهر القرآن** اور شیخ طنطاوی الجوہری کی **"الجواهر فی تفسیر القرآن الکریم."**

5- تفسیر الفقهی : اس سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں قرآن کریم کی صرف احکامات والی آیات کی تفسیر کی گئی ہو۔

مشہور تفاسیر

☆ **احناف کی تفاسیر:**① احکام القرآن: (ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص وفات 370 هجری)

② تفسیرات احمدیة فی بیان الآیات الشرعیة: **(ملاجیون حنفی)**

☆ **شافعیہ کی تفاسیر:**① احکام القرآن: (ابوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری وفات 450هجری)

② القول الوجیح: (جلال الدین السیوطی وفات 911 هجری)

☆ **مالکیہ کی تفاسیر:**① احکام القرآن: (شیخ ابو بکر محمد بن عبدالله بن محمد الاندلسی وفات: 543 هجری)

②الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر القرطبی: (شیخ ابو عبدالله محمد بن احمد القرطبی وفات: 671هجری)

تمت بالخیر

مراجع ومصادر

1- قرآن کریم
2- تفسیر القرطبی
3- تفسیر ابن کثیر
4- تفہیم القرآن
5- روح المعانی
6- صحیح البخاری
7- صحیح مسلم
8- جامع الترمذی
9- سنن النسائی
10- مسند احمد
11- صحیح ابن حبان
12- معجم الطبرانی
13- مجمع الزوائد
14- فتح الباری شرح صحیح البخاری
15- فیض الباری شرح صحیح البخاری
16- مناهل العرفان فی علوم القرآن
17- الاتقان فی علوم القرآن
18- التفسیر والمفسرون
19- قواعد التفسیر
20- قواعد القرآن
21- منہج القرآن
22- البرهان
23- تاریخ القرآن و غرائب اسمه وحکمه
24- الاعتصام للشاطبی
25- تاج العروس
26- لسان العرب
27- مفردات امام راغب اصفہانی

اُصُولِ تفسیر سوالاً جواباً

قرآن مجید انسانی ہدایت کا آخری نوشتہ اور دائمی نصوص، محکمات اور اوامر کا مجموعہ ہے۔ قرآن فہمی کے جدید دنیا میں بیسیوں مراکز اور طریق تعلیم پائے جاتے ہیں جو سب اپنی اپنی جگہ مفید اور مستحسن ہیں، مگر ان میں ایک وہ روایت ہے جسے دینی مدارس میں دورۂ تفسیر کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

پیش نظر کتاب ایسے ہی مدت مدید سے جاری دورۂ تفسیر کے علمی نکات اور افادات پر مبنی خزینۂ معلومات ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اصول تفسیر کے مشکل مراحل کو سوال و جواب کے اسلوب میں آسان اور زود فہم بنا دیا گیا ہے۔

دار السلام نے اس علمی اور تحقیقی کاوش کو جدید طباعتی ضوابط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو طالبانِ قرآن کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ (آمین یارب العالمین)